اَدبی میگزین

(محفلِ خواتین)

بہ یادگار عظمت عبدالقیوم

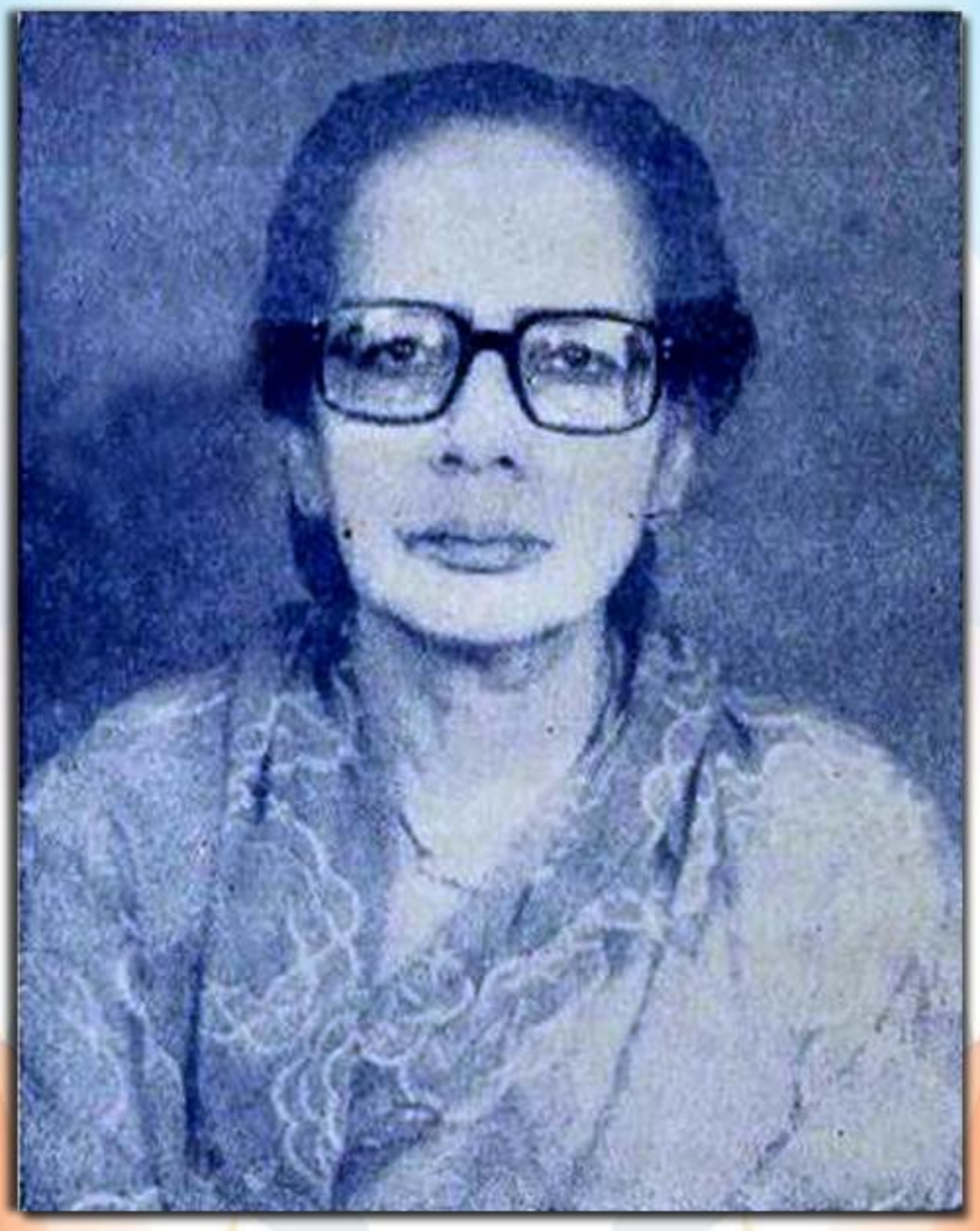

زیرِ اہتمام :- محفلِ خواتین

۱۷ر مارچ سنہ ۱۹۹۰ء — قیمت دس/۱۰ روپے

فاطمہ عالم علی خاں
مدیر

مظفر النساء ناز
شریک مدیر

www.taemeernews.com

محفلِ خواتین

کی

سالانہ تقریب

بمقام اردو ہال حمایت نگر۔ حیدرآباد، ہفتہ ۱۷ / مارچ ۱۹۹۰ء ۵ بجے شام

آپ سے بہ پابندیٔ وقت شرکت کی درخواست کی جاتی ہے صرف مدعو خواتین و حضرات ہی شرکت کر سکیں گے

سرپرست: شریمتی روڈا مستری

صدر: سلطانہ شرف الدین

معتمد عمومی: فاطمہ عالم علی خاں

شریک معتمد و خازن: مظفر النساء ناز

● افتتاحیہ اجلاس: ۵ بجے شام

صدارت: شریمتی روڈا مستری سرپرست محفل خواتین

(سابق وزیر حکومت آندھرا پردیش)

مہمانِ خصوصی: محترمہ شاداں ڈاکٹر وزارت رسول خاں

سکریٹری شاداں ایجوکیشنل سوسائٹی

رپورٹ: معتمد محفل خواتین

رسم اجرا: ادبی میگزین

ڈاکٹر زینت ساجدہ

نائب صدر محفل خواتین

(سابق صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ)

کنوینر: فاطمہ عالم علی خاں معتمد عمومی محفل خواتین

ادبی اجلاس ۶ بجے شام

صدارت: ڈاکٹر زینت ساجدہ سابق صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ

مضامین: پروفیسر ثمینہ شوکت صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

- ڈاکٹر رفیع رؤف پروفیسر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ
- ڈاکٹر اختر سلطانہ

افسانہ: عابدہ رخسانہ

مشاعرہ ۷ بجے شام

صدارت: ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

شاعرات: زبیدہ تحسین - سلطانہ شرف الدین

- ناز حیدر - انجم قمر سوز - نایاب سلطانہ
- ڈاکٹر اشرف رفیع - حفیظ النساء حزیں - عزیز النساء صبا
- مظفر النساء ناز - بشریٰ عبدالواحد
- ڈاکٹر اندو وشسٹ - بشیر جعفری - امجدی شیریں
- ڈاکٹر صفیہ انکولوی - نسیم نیازی - ڈاکٹر شمع پروین
- نورالنساء تسکین - فاطمہ حسین - نزہت جلیل
- حنا شہیدی - جمیلہ نشاط - کویتا کرن - اختر رومان
- ثریا مہر - یمین النساء

کنوینر: قمر جمالی

www.taemeernews.com

عہدہ دار و اراکین محفلِ خواتین

- سرپرست :- شریمتی روڈا مستری
- صدر :- سلطانہ شرف الدین
- نائب صدور :- ڈاکٹر زینت ساجدہ - ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید
- معتمد عمومی :- فاطمہ عالم علی خاں
- شریک معتمد و خازن :- مظفر النساء ناز
- اراکینِ عاملہ :- شفیعہ قادری - بشریٰ عبدالواحد - بشیر جعفری - قمر جمالی - زینت امان - سعیدہ افروز - عابدہ رخسانہ - کوثر گل

- اراکینِ عام :- اختر غوث محی الدین - عائشہ عبدالقادر - ممتاز جہاں کاظم - ڈاکٹر مسز آمنہ حیدر - انیس فاطمہ انیس انور حیدر الدین - مسز نفیس ظفر - ڈاکٹر حبیب ضیاء - فاطمہ غوث - مسز زبیدہ انصاری - نسیم نیازی - رفعت النساء ڈاکٹر ناصرہ - شاکرہ بیگم - ڈاکٹر صفیہ انکولوی - عائشہ بیگم - فاطمہ حسین ناز - آر - بانو - امۃ الکریم - افروز سعیدہ - سعیدہ شکورہ - وذیر النساء اشتیاق - سلیم النساء - صفیہ شاہین - شاہین فاطمہ - نزہت معظم علی - عصمت عظیم - منور النساء منور - مہ پارہ حسن - سعیدہ سلطانہ - خورشید حمید پاشاہ - سعیدہ سلطانہ شہا - صفیہ احمد ہاشمی - شہناز سید غوث - نسیمہ علی حکیم - سرور فخر الدین - امۃ المحمود النساء - عائشہ یوسف الدین - لکشمی دیوی راج - ممتاز حمید الدین - بتول سجاد - مسز ایم اے بیگ - اختر جہاں - تاج سلطانہ - نکہت اقبال - عصمت نسیم سحر - ترنم عادل - فریدہ زین - سلمیٰ کمال الدین حسن - حمیدہ تسکین - عابدہ محبوب - مسز بدر تقی - رشیدہ بیگم - مہر بانو ضیائی - شاداں منظور احمد - اوشا دیوی ڈاکٹر رام پرشاد - ثریا انور حسین - نائلہ خاتون علوی - شگفتہ ضیائی - انجم ضیائی - محمدی بیگم - قمر عارف - رقیہ شفیع احمد - صدیقہ بیگم ریحانہ - شاہ رخ ممتاز - نیلم گپتا - ثریا غوث الدین - مسز برہان الدین - نور النساء - صالحہ الطاف - میمونہ بانو رشید - حفیظہ بانو - بلقیس عابد علی - صبیحہ غفار - سلیم اشرف - رضیہ معراج احمد خاں - رضیہ منصب جنگ - عطیہ سلطانہ جواد - ڈاکٹر صابرہ سعید اختر قاسم - رفیعہ منظور الامین - رضیہ قادری - ڈاکٹر حمیدہ جلیلی - ڈاکٹر رفیع رؤف - ڈاکٹر اختر سلطانہ - نسیمہ تراب الحسن - اقبال جہاں قدیر - ڈاکٹر مہر النساء - سعیدہ بانو سعید - رحمت جہاں - تاج سلطانہ - انیس قیوم فیاض - وحیدہ سید ہاشم علی اختر قادری بیگم - ڈاکٹر شمیم شوکت - طیبہ بیگم - زبیدہ تحسین - ناز حیدر - انجم قمر سوز - نایاب سلطانہ - حفیظ النساء حزیں - عزیز النساء صبا ڈاکٹر اندو دشمت - ڈاکٹر سلمیٰ جلیل حسن - کویتا کرن - خدیجہ عالم خوندمیری - افسر روماں -

---

www.taemeernews.com

محفلِ شعر و ادب

صفحہ نمبر

حرف اوّل	(اداریہ)	فاطمہ عالم علی خاں	۶

۔ بزمِ خیابان (عظمت عبدالقیوم)

اُردو کی وضع دار شاعرہ (عظمت عبدالقیوم)	شفیعہ قادری	۷
آہ عظمتِ دکن	مظفر النساء ناز	۱۴
یادِ عظمت	قمر جمالی	۱۷
محترمہ عظمت عبدالقیوم (اجل تیری آبرو بڑھ گئی)	کوثر گل	۲۰
نذرانۂ عقیدت	بانو طاہرہ سعید	۲۲
نذرِ عظمت	حفیظ النساء حزیں	۲۳
منظوم خراجِ عقیدت	آر۔ بانو	۲۴

۔ مضامین:۔

تہذیبی اقدار ۔ تحفظ اور فروغ	ڈاکٹر رفیع رؤف	۲۵
بچہ باہر گیا ہے (مزاحیہ)	ڈاکٹر حبیب ضیاء	۲۹
اُردو میں تجریدی کہانیاں	ڈاکٹر اختر سلطانہ	۳۲
خالدہ ادیب اردیوار	ڈاکٹر سلمیٰ بلگرامی	۳۸
مہاراجہ کشن پرشاد	نسیمہ تراب الحسن	۴۲
ملکۂ حیات بخشی بیگم	اقبال جہاں قدیر	۴۷
انگریزی شاعری میں عورت کا مقام	صفیہ شاہین	۵۱
محترمہ وحیدہ نسیم	بشریٰ عبدالواحد	۵۵
عورت اور سماج	خورشید حمید پاشاہ	۵۹

www.taemeernews.com

ڈاکٹر حسن الدین احمد	رحمت جہاں	۶۱
میر تقی میر - حالات اور شاعری	آر۔ بانو	۶۴
سماج کا بندھن	سعیدہ سلطانہ شہبا	۷۲
حضرت عائشہ صدیقہؓ	تاج سلطانہ	۷۳
ایک نظر ادھر بھی	نفیس ظفر	۷۶
ہندوستانی سماج اور خواتین	فاطمہ عالم علی خاں	۷۷

۔ افسانے

تلاش میں ہے سحر	فریدہ زین	۸۰
نادان	انیس قیوم فیاض	۸۴
فاتحِ عالم	قمر جمالی	۸۹
اندھا کنواں	ڈاکٹر صفیہ انکولوی	۹۵
دشمن نہ کرے	انور حیدر الدین	۹۷
دریچہ	عابدہ رخسانہ	۹۹
منگل سوتر	کوثر گل	۱۰۳
جادوئی ڈنڈا	شاہین فاطمہ	۱۱۴
سانولا گلاب	بتول سجاد	۱۲۱
انمول رشتے	عابدہ محبوب	۱۲۴
خزاں رسیدہ	افروز سعیدہ	۱۲۷
اے موسم باراں	سعیدہ بانو سعید	۱۳۱
احساس کی صلیب	عصمت نسیم سحر	۱۳۵

۔ شاعری

۔ ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید ۔ زبیدہ تحسین ۔ سلطانہ شرف الدین ۔ ناز حیدر ۔ نایاب سلطانہ
۔ انجم قمر سوز ۔ عزیز النساء صبا ۔ حفیظ النساء حزیں ۔ نسیم نیازی ۔ مظفر النساء ناز ۔ بشریٰ عبدالواحد
۔ فاطمہ نسرین ۔ ڈاکٹر صفیہ انکولوی ۔ انیس فاطمہ انیس ۔ بشیر جعفری ۔ حنا شہیدی ۔ ڈاکٹر شمع پروین
۔ کوثر تاجر ۔ افسر عتیق

۱۳۹ تا ۱۵۵

www.taemeernews.com

حرفِ اوّل

۲۱ مئی ۱۹۸۸ء کو "محفلِ خواتین" کی روحِ رواں اور صدر محترمہ عظمت عبدالقیوم اچانک ہمارے درمیان سے یوں اُٹھ گئیں جیسے ہم سے ان کا کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔ اس سانحہ نے کچھ دن تک دل و دماغ کو مفلوج کر رکھا تھا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کے بغیر جلسے کیسے جاری رہیں گے اور سووٗنیر کی اشاعت کیسے عملی شکل اختیار کرے گی۔

"محفلِ خواتین" کے آپسی تعلقات اس قدر مضبوط ہیں کہ میری پریشانی کو دیکھ کر اراکین عاملہ اور اراکین محفل کے تیقن دلانے پر اور ہماری سرپرست محترمہ روڈا مستری صاحبہ کی شخصی دلچسپی نے مجھے ہمت و حوصلہ بخشا اور اللہ کا نام لے کر جلسے اور سووٗنیر کی تیاریاں شروع کردیں۔ محفلِ خواتین سے اپنی شریک کار مظفر النساء ناز کی دلچسپی اور تعاون کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔

۱۹۷۱ء ڈسمبر میں "محفلِ خواتین" کا قیام عمل میں آیا۔ محترمہ عظمت عبدالقیوم سے دیرینہ مراسم کی وجہ سے محفل کو جناب صلاح الدین نیّر صاحب کا بھرپور تعاون حاصل رہا ہے۔ خاص طور پر سالانہ جلسے اور سووٗنیر کی اشاعت انھیں کی مرہونِ منت رہی ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی ان کا تعاون چاہا تو بغیر کسی پس و پیش کے ہماری تمام ذمہ داریوں کو انہوں نے سمیٹ لیا۔ ان کے اس بے لوث تعاون کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں کہ شکریہ ادا کرسکوں۔

۱۲ مارچ ۱۹۹۰ء

فاطمہ عالم علی خاں

www.taemeernews.com

شفیعہ قادری ایم۔اے، ایم۔فل
لکچرار اردو، شاداں کالج

اُردو کی وضع دار شاعرہ ـــــ عظمت عبدالقیوم

فنیتس بھائی اکثر مجھ سے عظمت آپا کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک خاص احترام و عزت کے ساتھ اس غائبانہ تعارف نے اُن سے ملنے کے جذبۂ شوق کو بڑھایا اور مجھے ان سے جلد ہی ملنے کا موقع ملا۔ میں ان دنوں اپنے ایم۔فل کے تھیسس کے سلسلہ میں مصروف تھی۔ میرے مقالے کا موضوع "حیدرآباد کے علمی و ادبی ادارے اور ان کی خدمات" تھا ـــــ ادارہ محفلِ خواتین بھی میرے انتخاب کردہ اداروں میں سے ایک تھا، جس کی روحِ رواں اور صدر عظمت عبدالقیوم تھیں ـــــ محفلِ خواتین سے متعلق معلومات کے لئے مجھے ان سے انٹرویو لینا تھا ـــــ جب میں ان سے ملی تو مجھے ایک انجان سی خوشی اور مسرت محسوس ہوئی ـــــ عظمت آپا حیدرآبادی تہذیب، و شائستگی، خلوص و محبت، ملنساری اور مروت کا مکمل نمونہ نظر آئیں اور میں اس حیدرآبادی دلکش و معتبر شخصیت کو دیکھنے میں کھوگئی ـــــ میرے تصور نے مرحوم حیدرآباد کا نقشہ میری نظروں کے سامنے کھینچ دیا ـــــ اُس حیدرآباد فرخندہ بنیاد کا نقشہ میری نظروں کے سامنے کھینچ دیا۔ ـــــ جو اپنی ایک خاص جاگیردارانہ تہذیب و شائستگی کی بدولت نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند میں بھی مقبول تھا جس کے ہر طرف چرچے تھے، یہی وہ کشش تھی جو لوگوں کو کشاں کشاں حیدرآباد کھینچ لاتی تھی اور یہی پردیس ان کے لئے دیس بن جاتا تھا۔ عظمت آپا کا گھر بھی حیدرآبادی تہذیب کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا، اور اسی ماحول میں، میں ایک عجیب سی خوشی محسوس کر رہی تھی اور ساتھ ہی میرا دل حیدرآباد کی مٹتی ہوئی تہذیب کا ماتم بھی کر رہا تھا ـــــ وہ تہذیب جس کی دل کو چھو لینے والی اپنی خوبیاں تھیں، جس کی اپنی خامیاں تھیں اور اُن خوبیوں اور خامیوں کے امتزاج نے حیدرآبادی لوگوں اور حیدرآباد میں ایک عجیب سی دلکشی پیدا کردی تھی ـــــ ان ملے جلے تاثرات کے ساتھ میں انٹرویو کے لیے سوالات کرنے لگی ـــــ آپا نے بہت ہی مشفقانہ انداز میں، ادارے سے متعلق معلومات،

www.taemeernews.com

بہم پہونچائیں اور محفلِ خواتین کے تحت منائی گئی غزلوں کی رات کا سووینیر اور اپنے مجموعۂ کلام "رنگِ گل" اور "زرِ گل" مجھے عنایت کئے ـــــ عظمت آپا کا ہر عمل اُن کی وسیع القلبی اور کشادہ دلی کا احساس دلا رہا تھا ـــــ اس پہلی ملاقات نے ان کی عظمت کے گہرے نقوش میرے ذہن پر ثبت کیے ـــــ مجھے خوشی ہے کہ ان کے متعلق میرا یہ اولین تاثر ایک مستقل تاثر کی حیثیت سے قائم ہے اور رہے گا ـــــ اس پہلی ملاقات کے بعد عظمت آپا سے مزید ملاقاتوں کے مواقع ملتے رہے۔ "محفلِ خواتین" کے جلسوں میں اُن کی شخصیت کے مزید پہلو دیکھنے کو ملے ـــــ میں جب کبھی محفلِ خواتین کے جلسوں میں شرکت کرتی تو مجھے بے حد خوشی محسوس ہوتی کہ عظمت آپا باوجود اپنی ضعیف العمری اور خرابیٔ صحت کے کتنی پابندی سے ان جلسوں میں شرکت کرتی ہیں۔ اور اپنی پہلو دار شخصیت سے اس عہدے کے حسن و وقار میں اضافہ کرتی ہیں ـــــ محفلِ خواتین کے جلسوں میں یہ دیکھ کر مجھ کو از حد خوشی ہوتی ہے کہ اُن کی پُرخلوص، مشفقانہ، پُرعظمت شخصیت کی بدولت نہ صرف پرانی نسل بلکہ نئی نسل کا طبقۂ نسواں بھی انھیں، عزت، محبت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے ـــــ اور اُن کی من موہنی شخصیت کے جادوئی اثر سے ان کے اطراف ہالہ بنائے رہتا ہے ـــــ دو سال مجھے محفلِ خواتین کے زیرِ اہتمام منائی گئی "غزلوں کی رات" میں شرکت کا موقع ملا۔ اور اس ادارے کی ایک رکن کی حیثیت سے اس کی مختلف سرگرمیوں سے واقف ہوتی رہی ـــــ میں نے دیکھا کہ "غزلوں کی رات" کو منانے کی تقریباً تمام ذمہ داری آپا کے نازک کندھوں پر تھی۔ لیکن آپا بڑے عزم کے ساتھ محفلِ خواتین کے معاون و مشیر صلاح الدین نیّر کے مکمل تعاون سے انتظام و اہتمام میں لگی ہوئی تھیں ـــــ اُن کا یہ عزمِ جواں ہم جوانوں کے لئے ایک عمدہ سبق تھا جو ہماری حوصلہ افزائی کرتا ہے ـــــ آپا کی پُرخلوص مساعی کا نتیجہ تھا کہ غزلوں کی رات بڑی کامیاب رہی ـــــ آندھرا پردیش کی گورنر شریمتی کمود بین جوشی نے بڑی خوشی سے اس محفل میں شرکت کی اور بھری محفل میں عظمت آپا کی خدمات پر خوشی کا اظہار کیا۔ اور اس غزلوں کی رات اور محفلِ خواتین کی سرگرمیوں سے خوش ہو کر ادارے کے لئے دو ہزار ایک روپے کے عطیے کا اعلان کیا۔ اس خوبصورت لمحے میں آپا کے چہرے پر میری نگاہ پڑی۔ جہاں خوشیوں اور مسرتوں کے رنگ بکھرے ہوئے تھے ـــــ مجھ کو معلوم ہے کہ ماضی میں بھی اس ادارے کے تحت غزلوں کی راتیں، اتنی ہی کامیابی و اہتمام سے منائی گئی تھیں، جن میں آپا کا بہت بڑا حصہ رہا ہے ـــــ اس ادارے کے تحت بہت عمدہ اور معیاری ادبی سووینیر بھی عظمت آپا کی ادارت میں شائع ہوتے رہے ہیں ـــــ محفلِ خواتین کے لئے عزت و فخر کی بات ہے کہ آپا جیسی پُرخلوص، ذمہ دار، باوقار اور پُرعظمت شخصیت صدرِ محفلِ خواتین کی حیثیت سے فائز ہیں۔

www.taemeernews.com

عظمت آپا کی شخصیت کا ایک خوبصورت پہلو ان کا شاعر ہونا ہے ــــ آپا نے بڑی معیاری شاعری کی ہے۔ آپا کی شاعری اُن کے اپنے تجربات، جذبات واحساسات کی عکاسی ہے۔ انھوں نے اپنے جذبات واحساسات کو تازگی بخشی ہے۔ اُن کی شاعری کا ایک اپنا الگ رنگ ہے ــــ ان کے خوبصورت شعری مجموعوں "زیگل" "نغمۂ رگِ گل" کو تو میں نے پڑھا ہی ہے، محفلِ خواتین کے جلسوں میں بھی انھیں بارہا سنا ہے ــــ ان کے کلام نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا ہے ــــ کلاسیکی اقدار کی ترجمان، زندگی کی روشن علامتوں کی پاسدار، صاحب طرز ممتاز شاعرہ عظمت عبدالقیوم کا شمار حیدرآباد کی صفِ اول کی شاعرات میں ہوتا ہے جن کی علمی، ادبی وتہذیبی خدمات کو سخنوروں کی محفل میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ عظمت آپا اپنی شائستہ مزاجی، طبیعت کی سادگی ونرمی وضع داری وبُردباری اور اپنے شخصی اور خاندانی وقار کی جیتی جاگتی علامت کے طور پر علمی وادبی حلقوں میں توقیر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں۔

۱۸ر مئی ۱۹۸۸ء کا دن کتنی ہی اداسیوں اور پُرنم فضاؤں کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ میں اس دن جب نمازِ فجر کے لئے اٹھی تو عجیب سی بے چینی اور وحشت محسوس کر رہی تھی۔ طبیعت کچھ زیادہ ہی بے قرار تھی۔ نماز پڑھ کر اللہ سے سکونِ دل کے لئے دعا مانگی لیکن بے چینی تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ بڑی گہری اداسی کا احساس ہورہا تھا۔ میں اسی الجھن میں تھی کہ نیّر بھائی نے آکر اطلاع دی کہ عظمت آپا کا انتقال ہوگیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی دم بخود ہوگئی۔ یقین کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا کہ عظمت آپا اب ہم میں نہیں رہیں۔ انتقال سے کچھ دن قبل شاداں کالج آف ایجوکیشن میں میری ساتھی لکچرر فوزیہ خان نے مجھ سے کہا تھا کہ عظمت آپا سے عید ملنے چلیں گے۔ ہم نے پروگرام بھی بنالیا تھا لیکن ...... آپا کی موت کی خبر کس قدر تکلیف دہ تھی، بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں خیالوں کی دنیا میں گم ہوگئی۔ اُن کا پُرعظمت چہرہ نظروں میں گھومنے لگا۔ گو آپا سے میری ملاقاتیں مختصر سی رہیں لیکن اُن ملاقاتوں نے ہمیشہ ہی مجھ پر بے حد خوشگوار اور گہرا اثر چھوڑا تھا اور انھیں میں نے یادوں کے خزانے میں قیمتی سرمایہ کی طرح محفوظ کرلیا ہے۔ پھر میں اپنی یادوں کے اوراق ایک ایک کرکے اُلٹنے لگی۔ ابھی کچھ دن پہلے میں اپنے ایک کام کے سلسلے میں آپا سے ملنے گئی تھی، وہ بے حد ہشاش بشاش نظر آرہی تھیں اور صحت مند بھی۔

شاداں کالج آف ایجوکیشن کے شروع ہونے پر عظمت آپا کی شفقتوں اور محبتوں کی بدولت اس کالج میں بحیثیت اُردو لکچرر میرا تقرر ہوا تھا۔ میں نے شعبۂ اُردو کی جانب سے ایک ادبی انجمن کا قیام عمل میں لاتے ہوئے عظمت آپا، نیّر بھائی، ڈاکٹر وزارت رسول خاں اور شاداں بہن کے مشورہ سے اس انجمن کا نام آپا کی

www.taemeernews.com

رہائش گاہ کے نام کی مناسبت سے " بزمِ خیاباں " رکھا تھا۔ آپا نے صدر نشین شاداں کالج آف ایجوکیشن کی حیثیت سے 'بزمِ خیاباں' کا افتتاح کیا تھا۔ اس بزم کے افتتاح کے موقع پر ایک کلچرل پروگرام بھی ترتیب دیا گیا تھا، اس سلسلے میں آپا سے میں فون پر صلاح و مشورہ کرتی رہی۔ آپا اپنے مفید مشوروں سے مجھ کو نوازتی رہیں۔ بہت ہی عمدگی سے پروگرام کا اہتمام کیا گیا تھا۔ آپا نے شمع جلاکر بزم کا افتتاح کیا۔ آپا اس پروگرام سے بے حد مسرور و شاداں نظر آرہی تھیں۔ پروگرام کی کامیابی پر آپا نے محبت سے مجھ کو گلے لگا کر مبارکباد دی۔ میری ہمت افزائی کرتے ہوئے انھوں نے اس بزم کے تحت مختلف علمی، ادبی و تہذیبی پروگرام ترتیب دینے کا مشورہ دیا اور وعدہ کیا کہ " بزمِ خیاباں" کے ہر پروگرام میں شرکت کریں گی، آپا کو اس موقع پر خوش دیکھ کر مجھ کو بھی بہت خوشی ہوئی تھی۔ میں جلد ہی عید ملاپ کا پروگرام منعقد کرنے والی تھی لیکن یہ کس کو معلوم تھا کہ آپا یوں اچانک ہم سے بچھڑ جائیں گی۔ محفلِ خواتین میں جب بھی میں کوئی مضمون پڑھتی تو آپا بے حد سراہتیں، ہمت افزائی کرتیں اور دوسروں کے سامنے میری تعریف کرتیں۔ پچھلے سال محفلِ خواتین کا سالانہ جلسہ ویمنس کالج (کوٹھی)، میں منایا گیا تھا۔ آپا نے نیتر بھائی (مشیر محفلِ خواتین) اور فاطمہ عالم علی خاں معتمد محفلِ خواتین کے باہمی مشاورت سے بہت ہی عمدہ پروگرام ترتیب دیا تھا، جو بے حد کامیاب رہا، میں اُس پروگرام کے ادبی اجلاس کی کنوینر تھی۔ آپا کرسئ صدارت پر کس قدر باوقار دکھائی دے رہی تھیں۔ اُن کی صدارتی تقریر بہت زیادہ پسند کی گئی۔ دھیمے لب و لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر سمجھانے والے انداز میں وہ بہت ہی پُراثر تقریر کر رہی تھیں۔

عظمت آپا سے وابستہ یادوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی کہ نیتر بھائی نے آکر آپا کے گھر چلنے کے لئے کہا۔ میں چونک پڑی۔ جب ہم آپا کے گھر پہنچے تو میں دھیرے دھیرے آپا کے کمرہ کی طرف چل پڑی۔ یوں لگ رہا تھا کہ اب مجھ کو دیکھ کر آپا کے چہرہ پر مسکراہٹ کھل جائے گی۔ وہ مجھ کو اپنے سینے سے لگالیں گی ___ مگر ایسا نہیں ہوا۔ آپا تو اپنے پلنگ پر ابدی نیند سو رہی تھیں۔ میں نے دھیرے سے چادر ہٹائی۔ اُن کا معصوم چہرہ بالکل پُرسکون تھا۔ اُن کے چہرے پر فرشتوں کا سا نور تھا، میں انھیں کھوئی ہوئی دیکھتی رہی۔ میں چاہ رہی تھی کہ کاش آپا کچھ بولیں، باتیں کریں لیکن وہ تو بالکل خاموش تھیں۔ میں نگاہیں نیچی کئے خاموشی سے آنسو بہاتی رہی اور انھیں اپنا پرخلوص خراج عقیدت پیش کرتی رہی۔ میں نے ہلکے سے جب اپنا چہرہ اُوپر اٹھایا تو آپا کی بیٹی [illegible] تہنیت پر میری نظر پڑی۔ وہ غم و یاس کی تصویر نظر آرہی تھیں۔ اُن کے چہرے پر حزن و ملال [illegible] اداسیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر میں بلک اٹھی۔ میرے [illegible] الفاظ ہی نہیں

www.taemeernews.com

تھے جن سے میں انھیں صبر کی تلقین کر سکتی۔ نیّر بھائی نے اپنے گھر میں بے حد صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا تھا مگر میں نے دیکھا کہ وہ آپا کے قریب آئے اور اُن کے قدموں پر سر رکھ کر بے تحاشہ رو پڑے، اور دیر تک اُن کے قدموں سے اپنے سر کو جدا نہیں کیا۔ یہ غم زدہ منظر دیکھ کر وہاں موجود سبھی خواتین کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں میں تڑپ اٹھی۔ ہم شام تک وہیں رہے۔ شاداں بہن، آپا کی بہنیں اور دیگر رشتہ دار مسلسل رو رہے تھے۔ ان کے اوصاف یاد کئے جا رہے تھے۔ قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ میں بھی کلام پاک پڑھ کر آپا کی روح کے لئے ایصالِ ثواب کر رہی تھی ــــ سرِ شام آپا کو اُن کی ابدی آرام گاہ (خطۂ صالحین) کی طرف لے جایا گیا۔ میں نے بھی عظمت آپا کا آخری دیدار کیا، اور آنسوؤں کے سیلاب میں انھیں الوداعی سلام کیا۔

عظمت آپا کی ہستی بڑی معصوم تھی، محبت اور شفقت سے بھرپور مشرقی اقدار اور حیدرآبادی تہذیب کی مکمل تصویر، خوش اخلاق، سنجیدگی اور ہلکی سی شوخی کا حسین امتزاج اور سادگی کا پیکر تھیں۔ عظمت آپا کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے ہی میں محفلِ خواتین کے اجلاس میں شریک ہونے لگی۔ اگرچیکہ محفل خواتین کی سرگرمیاں آج بھی جاری ہیں لیکن وہ بات کہاں۔ آپا کے بغیر محفلِ خواتین کتنی سُونی سُونی لگ رہی ہے۔ ایک زبردست خلاء کا احساس ہونے لگا ہے۔ کرسیٔ صدارت خالی خالی سی لگتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُس کرسی کو انتظار ہے اُس قابل احترام، پُروقار، باعظمت شخصیت کا جو ہر ماہ اس پر متمکن ہو کر اس کی شان دوبالا کرتی تھیں ــــ آپا کی شخصیت کی کشش، محفلِ خواتین کے جلسوں میں اساتذہ، اسکالرز اور قابل خواتین کو کشاں کشاں لے آتی تھیں۔ اب وہ شناسا چہرے بہت کم نظر آتے ہیں جو آپا کی زندگی میں دکھائی دیتے تھے۔ وہ محفل جس کو آپا نے شب و روز کی محنت اور اپنی شخصی دلچسپی سے بنایا اور سنوارا تھا، وہ اپنی کیفیت کھوئی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کسی کے نہ رہنے سے کوئی کام نہیں رُکتا لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کا نعم البدل کبھی نہیں ملتا۔ میرا اپنا یہ بھی خیال ہے کہ محفلِ خواتین کے لئے آپا جیسا کوئی بھی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ ساری باتیں اُن کے ساتھ ختم ہوگئیں۔ عظمت آپا نے اپنی کوششوں سے اس محفل کے لئے سرمایہ جمع کیا تھا۔ اس کے سالانہ جلسے بڑے تزک و احتشام سے مناتی تھیں۔ محفلِ خواتین کے تحت "غزلوں کی رات" اور دیگر جشن اور سالانہ اجلاس کا اہتمام کس عمدگی سے کرتی تھیں۔

میں دعاگو ہوں کہ اس محفل کے وارث، آپا کی اس محفل کی آبیاری کو اپنی اخلاقی ذمہ داری سمجھیں اور اس کو مزید تقویت پہونچائیں۔ عظمت آپا آج کتنی یاد آ رہی ہیں۔ اُن سے وابستہ کن کن باتوں کو یاد کریں۔ ــــ اُن کی یادیں دل کے نہاں خانے میں ہمیشہ چراغاں کرتی رہیں گی ــــــــــــــــ

www.taemeernews.com

عظمت آپا ایک بلند مرتبت شاعرہ بھی تھیں، جن کے کچھ اشعار کا یہاں میں نے انتخاب کیا ہے۔ یہ محض میرے ذوق کا حاصل ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ انتخاب عظمت آپا کی شاعرانہ عظمت کو سمجھنے میں ناکافی ہو، لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ اشعار قارئین کے ذوقِ سلیم کی تسکین کا باعث بنیں گے۔

دردِ دل کیفِ الم سوزِ جگر سے پہلے
زندگی کچھ بھی نہ تھی تیری نظر سے پہلے

٭٭٭

فکرِ فردا، غمِ امروز، روایاتِ کہن
کتنی راہیں ہیں تری راہ گزر سے پہلے

٭٭٭

جن اُجالوں کو زمانے کی سحر ہونا ہے
وہ گزرتے ہیں مری فکر و نظر سے پہلے

٭٭٭

ہم نے مانگی تھی اک نگاہِ کرم
تم نے اِک دردِ انتظار دیا

٭٭٭

ترا غم بھی بہ قدرِ غم نہیں ہے
یہ عالم تو کوئی عالم نہیں ہے

٭٭٭

خوشی کی آرزو کس طرح کرتے
ابھی تو اعتبارِ غم نہیں ہے

٭٭٭

میرے دل کے سوا تیری نظر کا
سرِ محفل کوئی محرم نہیں ہے

٭٭٭

ہم اے غمِ حیات نہ جانے کہاں رہے
جب حُسنِ اتفاق سے وہ مہرباں رہے

٭٭٭

دیکھتے ہیں روشِ زمانے کی
ہم کو عادت ہے زخم کھانے کی

٭٭٭

دل کی جو بات ہے آنکھوں سے عیاں ہوتی ہے
خود محبت ہی محبت کی زباں ہوتی ہے

٭٭٭

جس کو شائستۂ اظہار تمنّا کہیئے
سچ تو یہ ہے کہ وہ اشکوں کی زباں ہوتی ہے

www.taemeernews.com

غم بہت ہیں کہ خوشی غور طلب ہے لیکن
اتنی فرصت ہی محبت میں کہاں ہوتی ہے

بڑے خلوص سے پوچھا ہے حالِ دل اُس نے
مگر یہ صرف مروّت ہے دوستی تو نہیں

نفس نفس کے لئے میرے تازیانہ ہے
تری نگاہ کا یہ مختصر فسانہ ہے

شعورِ زیست کو بیدار کر دیا جس نے
وہ ایک درد بڑا قیمتی خزانہ ہے

جنوں کی تیز روی میں پلٹ کے کیا دیکھوں
وہاں سے دور ہوں اب میں جہاں زمانہ ہے

لیے ہوں اَب غمِ دوراں کی وسعتیں دل میں
حقیقتاً غمِ الفت تو اک بہانہ ہے

غم اگر آنسوؤں میں ڈھل جاتا
اُن کا انداز ہی بدل جاتا

میرے اشکوں میں تیرے خواب جو لہراتے ہیں
انقلابات کے انداز بدل جاتے ہیں

بتائے تو سہی کوئی پھر اس کے بعد کیا ہوگا
اگر ان آنسوؤں کی روشنی میں رات کٹ جائے

جادۂ امید میں ہیں پیچ و خم
اے امیرِ کارواں ! اَب تو سنبھل

صبح کے جسم پر بہاروں کا
ایک رنگین سا لبادہ ہے

خود زندگی کا زہر بھی تریاق بن گیا
عظمتؔ ہے اس مقام پہ اپنا شعورِ غم

www.taemeernews.com

مظفر النساء ناز
بی۔ ایس سی۔ بی۔ ایڈ

عظمتِ دکن

عظمت آپا کی شخصیت ہی کچھ ایسی پہلودار تھی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اور کہاں سے اپنی بات شروع کروں۔ پہلی بار میں نے عظمت آپا کو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کی جانب سے منعقدہ خاتون شعرا کے مشاعرے میں دیکھا تھا (یہ مشاعرہ احاطہ آل انڈیا ریڈیو میں ہوا تھا) عظمت آپا ڈائس پر اس انداز سے بیٹھی ہوئی تھیں کہ شہ نشین کے وقار میں کچھ اور اضافہ ہو رہا تھا عظمت آپا کے سامنے چاندی کا چھوٹا سا پاندان رکھا ہوا تھا۔ خوبصورت گورے گورے ہاتھوں میں کنکر کا جگ مگ کرتا جوڑا اور ہلکے سرمئی رنگ کی ساڑی زیب تن کئے ہوئے عظمت آپا غضب ڈھا رہی تھی۔ اگرچیکہ ان کے ساتھ کئی اور شاعرات بیٹھی ہوئی تھیں مگر میری نظر برابر آپا کے چہرہ پر جمی رہی۔ اس وقت تک میں کسی بھی شاعرہ کو نہیں جانتی تھی۔ میں نے ویمنس کالج سے بی اے کرنے کے بعد شاعری کی دنیا میں قدم رکھ رہی تھی۔ اس اثنا میں میں نے کئی غزلیں لکھی تھیں جو کالج کے میگزین میں شائع ہوتی تھیں۔ مشاعرہ کی کامپیئر محترمہ رانی صاحبہ (مہ جبیں) نے اسٹیج پر آنے کے لیے میرا نام بھی پکارا کیوں کہ میں بھی سامعین کی صفوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں ڈائس پر آئی اور سوچ رہی تھی کہ کس طرف بیٹھوں۔ عظمت آپا مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ آپا نے کہا جیتے رہو بیٹی (عظمت آپا اس دن سے مجھے بیٹی یا بیٹا کہتی تھیں) مجھے اپنے قریب بلایا اور بیٹھنے کو کہا کیوں کہ وہ بھی مجھے پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔ اس مشاعرہ میں میں تمام شاعرات سے واقف ہوئی۔ جب مشاعرہ ختم ہوا تو عظمت آپا نے ہمت افزائی کرتے ہوئے مجھ سے کہا "بیٹی تم اچھا لکھتی ہو مگر بہت تیز تیز پڑھتی ہو۔ شعر اس طرح پڑھنا چاہیئے کہ آسانی سے سمجھ میں آسکے۔ اسکے بعد سے وہ برابر میری حوصلہ افزائی کرتی رہیں۔ جب آپا کو معلوم ہوا کہ میرا گھر صنعت نگر میں ہے۔ اور میں ودیوت سودھا (الکٹرسٹی بورڈ) میں کام کرتی ہوں تو بہت خوش ہوئیں اور بڑے پیار سے کہنے لگیں

www.taemeernews.com

بھی میرا گھر تمہارے گھر اور تمہارے آفس کے درمیان ہے۔ کبھی کبھی میرے گھر بھی آیا کرو۔ ہمارا دل بہل جائے گا۔

جب میں پہلی بار آپا کے گھر خیاباں پہنچی تو آپا مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں وہ میرا ہاتھ پکڑ کر قیوم صاحب کو آواز دینے لگیں۔ دیکھو تو کون آیا ہے۔ اندر کمرے میں سے آواز آئی کون ہے عظمت! وہ کہنے لگیں ایک بیٹی آئی ہے۔ وہ اندر سے آتے ہوئے بولے ناز! (اس کا مطلب یہ تھا کہ آپا میرے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھی۔ قیوم صاحب خلوص کے پیکر تھے۔ بڑی محبت و شفقت سے پیش آئے۔ میں پہلی ہی ملاقات میں اُن کے بارے میں سب کچھ جان چکی تھی وہ بڑی تفصیل سے اپنے اور عظمت آپا کے بارے میں بتا رہے تھے باتوں کا سلسلہ کچھ اس طرح چلتا رہا کہ رات ہوگئی رات کا کھانا ہم سب مل کر کھائے۔

رفتہ رفتہ ہماری ملاقاتیں بڑھتی رہیں اور ہم ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے اسلیے بھی کہ میں محفل خواتین کی شریک معتمد تھی ") غزلوں کی رات" جب کبھی قریب آتی تو کام بڑھ جاتا ہے۔ جب کبھی زیادہ کام رہتا۔ نیر بھائی، میں اور آپا مل کر کام کرتے تھے۔

اِدھر اُدھر کی باتیں بھی ہوتیں۔ عظمت آپا ہمیشہ ہر کام وقت سے پہلے کرنے کی عادی تھیں۔ وہ وقت کی بڑی پابند تھیں ایک واقعہ مثال کے طور پر سنانا چاہتی ہوں۔ شروع شروع میں محفل خواتین کے اجلاس شام کے وقت ہوا کرتے تھے۔ آپا بڑے پیار و محبت سے فون کرتیں۔ پہلے خیریت دریافت کرتیں پھر کام کی باتیں کرتیں۔ آج محفل خواتین کا مشاعرہ ہے تم ٹھیک ۴/۱ بجے شام تمہارے آفس (وردیوت سودھا) کے سامنے میرا انتظار کرنا ہم دونوں مل کر چلیں گے۔ مجھے کہیں ملے گی۔ بھلا میں کیسے انکار کرتی میں مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے ہی گیٹ کے پاس آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپا کار میں بیٹھی میرا انتظار کررہی ہیں۔ میں بوکھلا سی گئی۔ آپا آپ ۴/۱ بجے ــــــ ہاں! میں اس خیال سے کہ تم میرا انتظار نہ کرو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپا کس قدر وقت کی پابند تھیں ہم دونوں ماہانہ اجلاس کے انتظامات میں مصروف ہوجاتے۔

جب کبھی غزلوں کی رات کے پروگرام کے سلسلے میں مجھ سے کچھ بھول ہو جاتی تو بڑے ہی پیار سے ڈانٹ دیتیں۔ اُن کی ڈانٹ میں بھی بڑا مزہ آتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہمیں کسی مہمان کی گلپوشی کرنی تھی۔ مجھے فون پر بہت پہلے تاکید کی گئی تھی کہ آتے ہوئے فلاں فلاں چیزیں خرید کر لاؤ اور ایک گلاب کا ہار بھی۔ میں نے تمام چیزیں خریدیں لیکن ہار لانا بھول گئیں۔ عظمت آپا اور نیر بھائی بڑے بے چینی سے میرا انتظار کررہے تھے۔ جب میں پہونچی تو آپا غصہ میں کہنے لگیں یہ کوئی آنے کا وقت ہے۔ میں صفائی

www.taemeernews.com

پیش کررہی تھی۔ نیر بھائی نے کہا خیر چھوڑو، ہار کہاں ہے۔ جب معلوم ہوا کہ میں ہار لانا بھول گئی ہوں تو نیر بھائی نے غصہ میں آکر کہا تم اس پوسٹ کی قطعاً قابل نہیں ہو۔ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپا نے نیر بھائی کو ٹوکا اور کہا نیر یہ ابھی بچی ہے شاید گڑبڑ میں بھول گئی ہو۔ آپا کا دل بہت بڑا تھا۔ ہر ایک الجھن کو وہ مسکراتے ہوئے سلجھاتی تھیں۔ اگر میں کبھی کوئی مذاق کی بات کرتی تو آپا بڑی دیر تک لطف اندوز ہوتیں۔ ایک سہانی شام آپا اور میں خیابان کے باغیچہ میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ آپا بڑے اچھے موڈ میں تھیں۔ بہت سی پرانی باتیں بڑی تفصیل سے سنا رہی تھیں، باتوں کے سلسلے کی تان شاداں کی تعلیم پر ٹوٹی۔ عظمت آپا۔ شاداں کو بہت چاہتی تھیں۔ ایک دن علی الصباح میرے گھر فون آیا کہ آپا اس دنیا میں نہیں رہیں۔ آہ آپ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

انڈو برٹش اکیڈیمی

آفرس ریزلٹ اورینٹیڈ کوچنگ برائے کورس

لکڑی کا پل حیدرآباد ۴ سکنڈ فلور مہدی بلڈنگ

ڈپلوما ان سیول ڈرافٹسمن شپ

ڈپلوما ان آرکٹیکچر

ڈپلوما ان انٹیریر ڈیکوریشن برائے خواتین

فون نمبر 221632

www.taemeernews.com

قمر جمالی ۔ بی ۔ اے ۔ عثمانیہ

یادِ عظمتؒ

۷ر جون ۱۹۸۸ء کا اخبار دیکھا۔ 'یادِ عظمت' میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے والوں میں اپنا نام پڑھا تو دل اس زور سے دھڑکا اور سینہ اس بری طرح دھواں اگلنے لگا کہ وقت سا رک گیا مرہم دُھل گیا۔ اور زخم پھر سے ہرے ہو گئے۔ سینے میں کرب اور سانس اتھل پتھل ہو گئی۔ دل چاہا کہ زور سے روؤں مگر ۔ ۔ ۔ ایک گرہ تھی ۔ ۔ ۔ ایک بندش تھی جو مجھے ایسا کرنے سے روکے رکھی اور جس کی وجہ میرا غم اور دو بالا ہو گیا۔ اور میں بے سدھ ہو گئی۔ میں نے چاہا کہ ایک گلاس یخ بستہ پانی پی جاؤں تاکہ دل سے اُٹھتا ہوا یہ غبار دب جائے۔ مگر آنکھوں کے آگے دھواں سا پھیل گیا۔ میرے پاؤں معذور ہو گئے۔ میں اُٹھ نہیں پائی اور پکار کے کسی کو بلا نہیں پائی کیوں کہ حلق میں کانٹے پڑ گئے اور جسم تھا کہ ایک بار پھر بید مجنوں کی طرح لرزنے لگا۔

ہائے وہ دن۔ ۲۱ر مئی ۸۸ء قیامت صغریٰ ۔۔!! میں نے سوچا یہ کیسے ہو گیا۔ نہیں۔ بلکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے اپنے دل کو ڈھارس دی۔

۲۱ر مئی سے کچھ دس دن قبل کی بات ہے۔ میں نے انہیں فون کیا تھا۔ وہ بہت دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ بالکل اپنی باتیں اور بہت خاص باتیں۔ اور کہا کہ اور کچھ باتیں ہیں جنہیں وہ اپنے سینے سے میرے قلم میں منتقل کرنا چاہتی ہیں۔ اور مجھے تاکیداً کہا کہ میں عید رمضان کے بعد پہلے اتوار کو ان سے ملوں۔

عید رمضان کے بعد پہلی اتوار آئی۔ بالکل منحوس صبح تھی وہ۔ میں حسب وعدہ اُن کے ہاں جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ اخبار والے نے اخبار پھینکا۔ اور جو پہلی سرخی پڑھی۔ تو پھر ۔۔ تقریباً ایک گھنٹے تک پتہ نہیں کیا ہوا۔ وقت کیسے گذرا مجھے یاد نہیں۔ اپنے حواس برابر کی تو میرے میاں نے تاکید کی کہ 'اناللہ وانا الیہ راجعون' پڑھوں تاکہ سکون قلب ملے۔ اتوار سے ایک دن قبل ہی بیگم عظمت عبدالقیوم اس جہانِ فانی سے رخصت فرما چکی تھیں۔ کسی طرح میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور گرتی پڑتی اُن کے گھر گئی۔ وہ مکان ویسا ہی خاموش کھڑا تھا۔

www.taemeernews.com

ہاں مگر ان دیواروں کے بیچ تنہا و بالکل اکیلا دھڑکنے والا دل خاموش ہو گیا تھا۔ دروازے پر قدم رکھا تو ایک پر ہول سناٹا مجھے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ جوں کا توں سوائے ان دو پھیلے ہوئے ہاتھوں کے جن میں میں دوڑ کے سما جاتی تھی۔ اور وہ مجھے اپنے سینے سے اسطرح چپکا لیتیں اور اتنا دباتیں کہ مجھے لگتا ممتا کی ٹھنڈی پھوار میرے اطراف حصار کر رہی ہے۔ اور میں... گھڑی دو گھڑی کے لئے شاید جنت میں پہنچ جاتی۔

مجھے اپنے مقابل پا کر دختر عظمت بہت مضطرب ہوئیں اور تڑپ کر رونے لگیں۔ شاداں روتی تھیں تو مجھے لگا حق بجانب ہیں انہیں تو رونا ہی چاہیئے۔ مگر مجھے ــ ؟ مجھے اپنا غم ضبط کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ اگر میں چلا کے روؤں تو لوگ پوچھیں گے کہ یہ کون ہے ــ ؟

ہاں یہی سوال میں اپنے آپ سے کرتی ہوں میں کون ہوں اُسکی کہ جس کے غم نے مجھے آج تک سنبھلنے نہ دیا!!

کل رات مجھے عظمت آپا پر بڑا غصہ آیا۔ کم از کم انہوں نے مجھے ایک اشارہ کیا ہوتا کہ انہوں نے اپنی پرواز کا وقت معین کر لیا ہے۔ کہیں جانا ہو تو لوگ ہفتوں پہلے اعلان کر دیتے ہیں۔ اقربا ان کی گل پوشی کرتے ہیں دعوتیں ہوتی ہیں۔ مگر یہ کیا ــ ؟ اتنی چپ چاپ خود ہی اُٹھیں اور پرواز کر گئیں کہاں یہ کہ ذرا دل بیزار ہوتا تو فون کر کے بلواتیں ــ اور کہاں یہ کہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئیں اور ذرا اشارہ نہ کیا ــ !! دل میں ٹیس اٹھی اور جذبات میں دیوانگی پیدا ہوئی۔ خیال آیا دوڑ کے جاؤں۔ شاید ــ شاید وہ اب بھی ویسے ہی تخت پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھی ہوں۔ اور مجھے دروازے پر کھڑا دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے میری طرف بڑھ رہی ہوں ــ کاش۔ کاش ایسا ہو ــ ! مگر میں شاید ضرورت سے زیادہ ہوش مند ہوں میرا طلسم بہت جلد ٹوٹ گیا۔ مجھے اپنے آپ پر غصہ آیا۔ جی چاہا اپنے بال نوچ لوں۔ سر توڑ لوں ــ کاش ــ کاش یہ دیوانگی کچھ اور طویل ہوتی ــ ! اپنے جذبات پر قابو پانے کے لیے میں نے ایک طویل شکوہ لکھا۔

اے مادر مہربان !

کیسے آغاز کروں اپنی بات کا ! سلامتی میں تجھ پر بھیج نہیں سکتی، درازیٔ عمر کی دعا دے نہیں سکتی، اور نہ ہی تجھے مغفور و مبرور ہونے کی دعا دے سکتی ہوں۔ کیوں کہ میں نہیں مانتی کہ تو مر چکی ہے ــ یہ میرا دعویٰ ہے۔ نہ غزل مرے گی اور نہ عظمتِ غزل ــ

نقل مقام کرنا ہی تھا تو کچھ کہا تو ہوتا۔ کچھ اشارہ کیا ہوتا۔ میں تجھے وداع کرنے سے قبل اپنی آنکھوں میں بسا لیتی۔ تیری ایک بھی پیاری سی ادا اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا لیتی۔ مگر تو نے تو مجھے یک لخت فراموش کر دیا۔ ذرا یاد بھی نہ کیا۔ مجھے یقین ہے اگر ایک آہ بھی تیرے ہونٹوں سے نکلی ہوتی تو اس کی گرمی میں اپنے چہرے پر محسوس

www.taemeernews.com

کر لیتی۔ یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ تو نے آہ بھی نہ کی ہو گی ۔!! ہو سکتا ہے کہ موت کا چہرہ تجھے ۔ اتنا خوفناک نہ لگا ہو کہ تو دہشت زدہ ہو جاتی ہو سکتا ہے اجل نے تجھے زبردستی زندگی کے ہاتھوں چھینا نہیں بلکہ تو خود ہی چل کے اسے خوش آمدید کی ہو۔ مگر جو بھی ہو۔۔۔۔ مجھے شکوہ ہے اے ماں! تیری ذات سے ۔ تیری متبسم مسکان سے جس نے مجھے دھوکہ دیا کہ میں تو تجھے اپنی ماں مانتی رہی اور تو نے پتہ نہیں مجھے رشتوں کے آہنی جنگلے کے کون زینے پر بٹھائے رکھا کہ دمِ آخر ذرا پتہ نہ کیا۔

میں آئی تھی ماں! اپنے وعدے کے مطابق تجھ سے ملنے۔ مگر ایک دن قبل ہی تو نے اس جہانِ فانی سے رخصت لے لی تھی۔ اپنے دروازے مجھ پر بند کر دیے تھے۔ اور مجھے ذرا اطلاع تک نہ کی۔ اب میں اسے کیا کہوں۔؟ دھوکہ ۔؟ یا بے وفائی ۔؟؟ کچھ نہیں تو مجھے ڈانٹ ہی دیا ہوتا۔ میری آنکھوں کے سامنے اپنے دروازے بند کیے ہوتے۔ اسے میں بے وفائی نہیں تو اور کیا کہوں ۔!! گھر بلایا اور خود مستور ہو گئیں۔

میں نے ایک طویل نامہ لکھا ۔ نامہ ختم کیا تو احساس ہوا کہ کہاں بھیجیں ۔؟؟ اس سوال کے احساس نے میرے اندر کے وجود کو ایک بار پھر لرزا دیا۔ میں غم سے بے قابو ہو گئی۔ قلم ایک طرف پھینکا نامہ ریزہ ریزہ کیا اور مٹھیوں میں چھپا کے خوب روئی۔ بہت دیر تک۔ جانے کتنی دیر تک کتنے لمحے ۔ کتنی صدیاں۔ اور جب رو رو کر تھک گئی تو میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرے قریب کھڑا میرے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ میرے الجھے بالوں کو سلجھا رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔ "روئیں بیٹی ۔ یہ تیرے ایمان کے عین منافی ہے"

میں نے سر اٹھا کے اوپر دیکھا۔ آسمان پر سیاہی چھٹ گئی تھی۔ فضا پُر نور تھی۔ صبح کی پہلی کرنیں آسمان سے زمین کی طرف بڑھ رہی تھیں ۔ میں نے یکایک ہی اپنے اندر ایک اطمینان محسوس کیا مجھے یوں لگا کہ یک لخت میری کھوئی ہوئی دولت مجھے مل گئی ہو۔ پھر جب میرے احساس بحال ہوئے تو میں نے محسوس کیا کہ میں یقیناً بڑی غلطی کر رہی تھی۔ یہ بات سچ مچ میرے ایمان کے عین منافی تھی۔ جنہیں میں مرا تصور نہیں کرتی پھر اُن ہی کا ماتم کیسا۔ اور ماتم بھی اس بہادر ہستی کا جس نے خود اعتراف کیا ہے۔

ہزاروں حادثے گذرے ہیں لیکن
مزاجِ زندگی برہم نہیں ہے (نظمت عبدالقیوم)

یہ تو روح و جسم کے تقاضے ہیں۔ زمانے بدل جاتے ہیں۔ صدیاں بیت جاتی ہیں۔ مگر رہ جاتی ہیں یادیں۔ جن پر کسی کا اجارہ نہیں۔ جو انسان کا بہترین سرمایہ ہیں۔ اثاثہ ہیں۔ پونجی ہیں۔ ایک ایسی ہی بیش بہا پونجی میرے دل میں مقید ہو گئی ہے۔ اور وہ ہے ۔ یادِ عظمت ۔

www.taemeernews.com

کوثر گل

محترمہ عظمت عبدالقیوم

اجل تیری آبرو بڑھ گئی

قلمکار جب لکھنے بیٹھتا ہے تو ہوتا یہ کہ وہ اپنے جذبات و احساسات کو ذہن میں سلسلہ در سلسلہ مربوط کرتا ہے اور پھر الفاظ کے پیکر میں ڈھال دیتا ہے لیکن کبھی الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ اس وقت ہم بھی اسی کیفیت سے دوچار ہیں۔ سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے کیا لکھیں۔

محترمہ عظمت عبدالقیوم خاں کا نام محتاج تعارف نہیں وہ شہر حیدرآباد کی قدیم تہذیب و شائستگی کا مکمل نمونہ تھیں ان کے مجموعہ کلام رگِ گل کا ہم نے مطالعہ کیا ہے حال ہی میں ایک کتاب چھپی ہے "عظمت غزل" جسکے ترتیب کار حیدرآباد کے ممتاز و مشہور شاعر محترم صلاح الدین نیر ہیں اس کتاب میں عظمت عبدالقیوم کے فن اور شخصیت کے بارے میں مختلف شاعروں، نقادوں، ادیبوں، دانشوروں کی رائے ملتی ہے اس کتاب میں علامہ نیاز فتح پوری جیسے جید نقاد جن کی سخت ترین تنقید سے ہندوستان کا شاید ہی کوئی شاعر بچا ہو۔ وہ محترمہ عظمت عبدالقیوم کے بارے میں یوں لکھتے ہیں کہ

"آپکے جذبات کا خلوص اور انداز بیان کی دلکشی ہر ایک اپنی جگہ قابل ستائش ہے اور دعا دیتے ہیں ؎

بہار ہو کے رہو جا کے جس چمن میں رہو

اور آگے فرماتے ہیں نیاز صاحب کہ عظمت شعر کو تفسیر حیات سمجھتی ہیں۔ عظمت کی غزلیں جس سے ان کی بلند فکر کا اندازہ ہوتا ہے اور وہ غزل کی ان تمام خصوصیت کو سامنے رکھ کر شعر کہتی ہیں جو فکر صالح کے لئے ضروری ہے ان کی نظمیں بھی کافی وزنی اور خیال انگیز ہیں جس میں غزلوں کی طرح جوش و ولولے کے علاوہ لطیف شاعرانہ تعبیرات ملتی ہیں۔ عظمت کی شاعری پر ان کے تخلص کا بڑا گہرا اثر پڑا ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد محترمہ عظمت صاحبہ کے کئی روپ سامنے آئے ہیں ہماری شہرت سے

www.taemeernews.com

یہ خواہش تھی کہ ہم عظمت صاحبہ سے ملیں اور ہماری یہ خواہش بہت جلد پوری بھی ہوئی۔ ۹ / اپریل ۱۹۸۸ء کو محفل خواتین میں ہمارا اس معتبر معصوم صورت خلوص کے پیکر سے سامنا ہوا۔ صرف سلام علیک ہوئی۔ پتہ نہیں ان کی شخصیت میں وہ کیا بات تھی جو ہمیں بار بار ان کی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی اور جتنی دیر وہ وہاں بیٹھی رہیں ہم انہیں بہانے سے دیکھتے رہے۔ کبھی وہ بھی مسکرا کر ہمیں دیکھ لیتی تھیں۔ اِن کے اندر کوئی بات ضرور تھی۔ وہ ہمیں بڑی پیاری، پاکیزہ، معتبر ہماری دادی سے ملتی جلتی وضعدار خاتون لگیں۔ اِن دنوں ان کی طبیعت ناساز تھی اس لیے وہ جلد چلی گئیں۔ جاتے وقت جب ہم نے سلام کیا تو وہ بڑے خلوص و محبت سے باتیں کیں۔ یہ ہمیں ہمیشہ یاد رہے گا بہرحال ان کی شخصیت نے ہمیں بہت متاثر کیا تھا۔ یہ تھی ان سے بہت مختصر ملاقات اور پھر ہم نے سوچ لیا تھا اب آئندہ انشاء اللہ ان سے ضرور ملیں گے لیکن افسوس کہ زندگی نے عظمت صاحبہ کے ساتھ وفا نہ کی۔

آج عظمت کی زندگانی بھی حسرتوں کا مزار ہے گویا
روز و شب یہ گمان ہوتا ہے موت کا انتظار ہے گویا

بالآخر ۲۱ / مئی ۱۹۸۸ء بوقت سحر جبکہ کائنات کی ساری مخلوق خدا کی تسبیح و حمد میں مشغول رہتی ہے۔ موت نے بڑھ کر معصوم صورت عظمت غزل کو بڑے پیار سے اپنے سینے سے مسکراتے ہوئے یہ کہتے گلے لگا لیا کہ اجل تیری آبرو بڑھ گئی۔

" جو انتظار تھا وہ آخر ختم ہوگیا۔

ہم ایک بلند پایہ ادیب اور ممتاز شاعرہ سے محروم ہوگئے۔ وہ بہت دور چلی گئیں۔

اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

فون نمبر ۴۷۱۱۴

انتخاب پریس

خوبصورت، نئے دیدہ زیب، انگریزی ٹائپ
لیٹر ہیڈز، وزیٹنگ کارڈز سے لے کر
کتابوں اور بڑے فارمس کی پرنٹنگ
کیلئے ایک ہی نام یاد رکھئے :۔

* انگریزی
* اُردو
* تلگو

جواہرلال نہرو روڈ۔ حیدرآباد ۱

www.taemeernews.com

آہ عظمتؔ!

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

کون اب دے گا مجھے دادِ سخن تیرے بعد
دیکھ کر کون مجھے ہوگا مگن تیرے بعد

تیرے بن لطف بہاروں میں نہ اب محفل میں
ہو گیا نذرِ خزاں حسنِ چمن تیرے بعد

تیرے جانے سے عجب طرح کی ویرانی ہے
سُونا سُونا نظر آتا ہے دکن تیرے بعد

تو نے روتا ہوا چھوڑا ہمیں اے جانِ غزل
سوگ میں ڈوبے ہیں سب اہلِ سخن تیرے بعد

تیری فرقت نے ستم ڈھایا ہے عظمت ہم پر
کیا ملا دل کو بجز رنج و محن تیرے بعد

نذرانۂ عقیدت

کوئی ہم سے جدا ہو گیا — کچھ نہ پوچھو کہ کیا ہو گیا
وہ تبسم وہ چہرا تیرا — آج ایک خواب سا ہو گیا
سونی سونی ہوئی زندگی — جانے کیا ماجرا ہو گیا
نامِ عظمت سے اے طاہرہ — زخمِ دل پھر ہرا ہو گیا

www.taemeernews.com

حفیظ النساء حزیں

یادِ عظمتؔ

خیالِ عظمتِ قیوم آئے بار بار آئے
دل بیتاب کو کیسے بھلا صبر و قرار آئے

چھپائے درد پہلو میں ہزاروں سوگوار آئے
مری ہمدم تری محفل میں ہم سب اشکبار آئے

ہے گل بھی چاک داماں، یادِ عظمت ہے گلستاں میں
کھلے جب پھول گلشن میں تو وہ بھی داغدار آئے

رہے قائم و دائم بے بہا محفل تری عظمت
یہی عزم مصمم لے کے تیرے غمگسار آئے

کہن ہے شاذ کا مخدوم و جامی اور عظمت کا
یہ وہ انمول موتی تھے جو بن کر آبدار آئے

تری مرقد پہ عظمت ہر گھڑی ابرِ کرم برسے
تری تربت پہ ہر دم رحمتِ پروردگار آئے

دل و جاں مضطرب، آہ و فغاں ہے یادِ عظمت میں
چڑھانے اُن کی یادوں پر حزیں اشکوں کے ہار آئے

نذرِ عظمتؔ

نگاہ دوست میں آنسو سمو گئیں عظمتؔ
ہمارے دامنِ دل کو بھگو گئیں عظمتؔ

مثالِ ماہِ درخشاں زمیں پہ چمکی تھیں
فلک کے چاند ستاروں میں کھو گئیں عظمتؔ

تلاشِ دوست میں چھوڑا ہے دار فانی کو
رہِ وفا کی بلندی کو چھو گئیں عظمتؔ

انہیں اٹھا نہ سکے گا کوئی قیامت تک
تھکن سے چور تھیں اس طرح سو گئیں عظمتؔ

اُٹھا کے بارِ الم دوش پر حزیںؔ غم کا
نہ جانے کون سی دنیا میں کھو گئیں عظمتؔ

www.taemeernews.com

آر۔ بانو

منظوم خراجِ عقیدت بہ عظمت عبدالقیوم

(جلسۂ تعزیت در محفلِ خواتین مئی ۸۸ء)

تو پیکرِ اخلاص تھی، تو خلقِ مجسم
دل میں غم دوراں لئے، ہونٹوں پہ تبسم
دلکش بھی، دل آویز بھی تھا تیرا تکلم

اے عظمتِ قیوم!

شائستگی رفتار میں، گفتار میں نرمی
یک گونہ متانت لئے، ہر بات میں نرمی
تیری نگہہِ لطف میں جذبات کی گرمی

اے عظمتِ قیوم!

دل بھی تیرا، چہرہ کی طرح ماہ مبیں تھا
آئینۂ اخلاص تھا، ہر دل سے قریں تھا
کردار بھی پاکیزہ، تفکر بھی حسیں تھا

اے عظمتِ قیوم!

اُردو کی پرستار تھی، تو جانِ غزل تھی
تو مظہرِ جذبات تھی، وجدانِ غزل تھی
قصرِ ادب و شعر تھی، ایوانِ غزل تھی

اے عظمتِ قیوم!

فن کار خواتین کو، شعرا کو ابھارا
کی حوصلہ افزائی، دیا ان کو سہارا
جو ہر بھی جو، ان میں تھا چھپا اس کو نکھارا

اے عظمتِ قیوم!

تونے ہی خواتین کی محفل کو سجایا
ہر وادیٔ افکار کو گلزار بنایا
یہ باغ ہمیشہ رہے سرسبز خدایا

اے عظمتِ قیوم!

فن کار گذر جاتے ہیں، فن رہتا ہے زندہ
تو آنکھ سے اوجھل ہوئی، عظمت تری زندہ
تا حشر رہے "شاہدِ اُردو" تری زندہ

اے عظمتِ قیوم!

www.taemeernews.com

پروفیسر رفیع رؤف

تہذیبی اقدار کا تحفظ اور فروغ

آزاد ہندوستان کی تاریخ اب عمر کی اس منزل پر آ پہنچی ہے جس کو شعور و ادراک کی تکمیل کی منزل کہا جاتا ہے۔ یہ منزل افراد کی طرح اقوام کے حق میں بھی ان کی بلندی اور برتری کی علامت بن جاتی ہے۔ صاحب نظر برگزیدہ ہستیوں کو عمر کی اسی منزل پر نبوت بخشی گئی ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ایسے وقت میں جبکہ آزاد ہندوستان نے اپنی عمر کے چالیس سال مکمل کر لیے ہیں۔ ہمارا یہ سوال کہ انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا تحفظ اور ان کی نشو و نما کیوں کر ہو۔ صرف ایک سوال ہی نہیں بلکہ لمحۂ فکر بن جاتا ہے۔

لمحۂ فکر اس لیے ہے کہ کبھی ہندوستان کی سرزمین ہی انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا گہوارہ تھی۔ اسی کی آغوش سے تہذیبی، علمی ادبی، روحانی اور اخلاقی اقدار کے چشمے اُبلتے تھے۔ موسیقی، مصوری، سنگتراشی، تعمیر کاری شاعری اور رقص جیسے علوم و فنون کے دریا، راوی، چناب، ستلج اور گنگ و جمن کے ساتھ ساتھ بہتے تھے۔ اسی ہمالہ کی برف پوش چوٹیوں سے الوہیت کے گیت ساری کائنات میں گونجتے تھے۔ اسی ہندوستان کی سرزمین پر دڑاوڑیوں کی زراعت و فلاحت، آریاؤں کی ذہانت و فطانت، بودھ مت کا تقویٰ اور جینیوں کا تزکیہ صدیوں تک اقوام عالم سے اپنی برتری کا لوہا منواتا رہا ہے اور اقبال کے الفاظ میں ایک عالم اس کا معترف تھا کہ ؎

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا — سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا — ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

اسی عظمت ہند کے مدنظر اقبال کے دل کی گہرائیوں سے یہ ترانہ بلند ہوا کہ ؏

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

جو آج ہر محب وطن ہندوستانی کی روح میں سرایت کر گیا ہے اور جس کے نشے سے ہندوستان کا بچہ بچہ سرشار ہے۔ یہ سرشاری کی کیفیت ہی ایک نیک علامت ہے۔ ملک کے دانشوروں کا کام ہے کہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسے اقدام کریں کہ انسانیت اور تہذیب کی اعلیٰ قدریں از سر نو پھلیں پھولیں اور پروان چڑھیں۔ اس ضمن میں ہمارا اولین فرض یہ

www.taemeernews.com

ہوگا کہ ہم نئی نسل کو ــــ

(۱) ہندوستان کی صحیح تاریخ پڑھائیں۔ گذشتہ چالیس سال سے ہم اپنی نئی پود کو وہی تاریخ سنا رہے ہیں جو انگریزوں نے ایک خاص مقصد سے لکھی تھی۔ جس کے نتیجے میں ہم تعصب، تنگ نظری، عداوت اور نفاق اور پھوٹ کا شکار رہے جو انگریزوں کے حق میں تو سود مند تھے لیکن ہم ہندوستانیوں کے حق میں تباہ کن تھے۔ اسی تاریخ کو پڑھانا گویا آپ اپنے ہاتھوں اتحاد اور ایکتا کے چمنستان کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔ ہماری اصل تاریخ تو بین قومی اتحاد اور تہذیبی اشتراک کی تاریخ ہے جو گذشتہ کئی صدیوں پر مشتمل ہے۔ اگر آج اس تاریخ کو پرائمری سطح سے لے کر جامعاتی سطح تک قوم کے نونہالوں اور فرزندوں کو پڑھایا جائے تو یقین ہے کہ اعلیٰ اقدار کے تحفظ کی راہیں خود بخود ہموار ہو جائیں گی۔ جن ہاتھوں میں قوم کی قیادت کی باگ ڈور ہے انھیں اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہیئے۔

ہم جب اقبال کا یہ ترانہ لہک لہک کر پڑھتے ہیں کہ ؏ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا، تو اسی ترانے کا ایک شعر ــــ

اے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو — اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

نہ جانے کیوں چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ اس شعر کی تہ میں ہندوستان کے پرعظمت ماضی کے بے شمار جلوے چھپے ہوئے ہیں۔ اسی دو آبۂ گنگ و جمن کے کنارے دنیا کے دور دراز کے تہذیبی و تمدنی قافلوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ آریاؤں سے لے کر ترکوں اور ایرانیوں نے گنگا و جمنا کی اسی سرسبز و شاداب وادی میں اپنا سب کچھ لٹا دیا اور پھر اسی مٹی میں جذب ہو کر رہ گئے۔ اور اسی کی آغوش سے ہند آریائی اور ہند ایرانی مشترک تہذیبی و تمدنی قدریں نئے انداز سے ابھریں اور یہ دور ہندوستان کی تاریخ کا پرعظمت دور بن گیا۔ علوم و فنون کی شاہکار تخلیقات وجود میں آئیں، یہ سب اسی تہذیبی اشتراک و اتحاد کا ثمرہ تھا۔ تاریخ کے صفحات کے علاوہ قدیم عمارتوں کے آثار بھی اسی کے گواہ ہیں۔ نئی نسل میں آثار قدیمہ کے مشاہدے کا شوق اور تجسس پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔

(۲) صوفیائے کرام اور سنتوں کی تعلیمات کو نظر انداز نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ان کی تعلیمات ہی انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی نگہبان اور محافظ رہی ہیں۔ ہندوستان ابتداء ہی سے مختلف زبانوں، بے شمار بولیوں اور متنوع عقائد کا گہوارہ رہا ہے۔ آج جب ہم سیکولرازم کی بات کرتے ہیں تو یہ صدا ضرور لگاتے ہیں کہ تم صرف انسان بنو، مذہب سے تمہارا نجی واسطہ ہے۔ اہل بصیرت کی نظر میں یہ ایک انتہائی مضحکہ خیز بات ہے، ان کا ایقان تو اس بات پر ہے کہ وہی انسان انسانیت کے زیور سے آراستہ ہو سکتا ہے جو مذہب کی روح سے اپنے پیکر خاکی کو

www.taemeernews.com

زندہ، توانا اور تابناک رکھے۔ ایسا انسان ہی سماج کا حقیقی بہی خواہ ہو سکتا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جو اولاد آدم کو ایک دوسرے سے نفرت کا درس دیتا ہو۔ ہر مذہب کی تہ میں یہ سچائی ملتی ہے کہ بنی نوع آدم کی بقاء کا راز باہمی محبت اور مہر و مروت میں ہے۔ اسی رمز کو صوفیائے کرام اور سنت لوگوں نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلایا ہے۔ ان کی اہم ترین خدمت یہ تھی کہ انھوں نے ہندوستانی باشندوں کو ایک تہذیبی ذہن دیا اور آج ہم اپنے ذاتی مفاد کی خاطر، اپنی قوم کے نوجوانوں کا سیاسی ذہن بنا کر انھیں تعصب، تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے اندھیروں میں ڈھکیل رہے ہیں۔ اگر ہم انسانی اقدار کو پروان چڑھانا چاہتے ہوں تو ہمیں صوفیاء کرام اور سنتوں کی تعلیمات کو پھر سے عام کرنا اور ایک تہذیبی ذہن بنانا ہوگا۔

تہذیبی اور تمدنی اقدار کے تحفظ کے لئے کسی بھی زبان اور اس کے ادب کا اہم رول ہوتا ہے۔ ہندوستان جیسے کثیر اللسان ملک میں ہمزبانی کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ "زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم" کا فلسفہ جب ترکوں اور مغلوں کی سمجھ میں آیا تو انھوں نے ترکی اور فارسی سے اپنا رشتہ توڑ کر ایک ایسی زبان کو پروان چڑھایا جس کے خمیر میں سنسکرت جیسی قدیم آریائی زبان کے علاوہ تمام مقامی زبانوں جیسے پنجابی، سندھی، گجراتی، بنگالی، مرہٹی، کنڑی اور تلگو کے الفاظ بھی شامل تھے اور ان زبانوں کے الفاظ کے ایک کثیر ذخیرے کو عربی و فارسی کے ساتھ کچھ اس طرح ہم مزاج کر لیا کہ پھر کسی محبوب کو یہ شکایت نہ رہی کہ من ترکی نمی دانم۔ زبان کے تعلق سے یہ لچکدار رویہ ہی مشترکہ تہذیبی قدروں، بین قومی یگانگت کے حق میں بارآور ثابت ہو سکتا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اُردو زبان اپنے آغاز سے ہی اس لچکدار رویہ کی علمبردار رہی ہے۔ اس کا مسلک ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہندوستان کی تمام زبانوں کے علمی و ادبی ذخیرے کو ترجمے کے ذریعہ اُردو میں منتقل کیا جائے، اس لئے کہ یہ بھی ایک وسیلہ ہے اعلیٰ اقدار کے تحفظ کا۔ اسی وسیلے سے ہم احترام آدمیت کے رمز سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ ہماری ایک ہزار سالہ تاریخ کا مطالعہ اس بات کی شہادت دے گا کہ وہ دور لسانی تعصب سے ہمیشہ پاک رہا ہے۔ ترکوں کے دور سے ہی ہمیں یہ آثار ملتے ہیں کہ انھوں نے ویدوں کا مطالعہ کیا۔ ابو ریحان البیرونی کا نام اس کا شاہد ہے۔ ابتدائی دور سے ہی سنسکرت کے مذہبی لٹریچر کا فارسی میں ترجمہ ہونے لگا۔ اس طرح لسانی اشتراک، مذہبی، سماجی اور معاشرتی سطح پر دوستی، بھائی چارگی اور باہمی مہر و کرم کا باعث بنتا گیا۔ اس ضمن میں صرف ایک نام، حضرت امیر خسرو کا شہادت کے لئے کافی ہے۔

— قومی تہواروں اور رسوم و روایات کی پاسداری بھی صحت مند معاشرے کی تعمیر و تشکیل کی ضمانت

www.taemeernews.com

ہوتی ہے۔ اُردو ادب میں ابتدا ہی سے ہندوستانی موسموں، تہواروں، رسوم و روایات کے علاوہ مختلف معاشرتی مرقعے ملتے ہیں۔ ابتدائی درجوں سے لے کر جامعاتی سطح تک کی نصابی کتابوں میں تہذیبی رواداری کا درس مختلف عنوانات سے دیا جاتا ہے۔ ابتدا ہی سے اُردو ادب کا مسلک تصوفانہ مسلک رہا ہے جو نظر کی وسعت اور قلب کی کشادگی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔

فنونِ لطیفہ یعنی موسیقی، مصوری، فن معماری، سنگتراشی اور شاعری سے بھی تہذیبی اقدار کے تحفظ کو تقویت ملتی ہے۔ شخصی حکومتوں میں ایسے تمام فنون جو راست دربار کی سرپرستی میں ہوتے تھے اور بکمال طور پر فروغ پاتے تھے۔ ان فنون سے انسان کی روح کو بالیدگی اور جذبات میں شائستگی آتی ہے۔ نفرت اور ظلم جیسے بہیمانہ صفات سے انسانیت کا پیرہن آلودہ نہیں ہونے پاتا، اس لئے موجودہ حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ نئی نسل میں زیادہ سے زیادہ فنونِ لطیفہ کا ذوق پیدا کیا جائے کیونکہ ان ہی فنون کے ذریعہ ہمارے اسلاف نے پیغامِ محبت کو عام کیا ہے۔

نیک تمنّاؤں کے ساتھ۔

منجانب

کارخانہ زندہ طلسمات۔ حیدرآباد

(زیونانی دوا۔ زندہ طلسمات۔ منجن فاروقی)

زندہ بام

www.taemeernews.com

ڈاکٹر حبیب ضیا
ریڈر شعبۂ اردو یونیورسٹی کالج فار ویمن

بچہ باہر گیا ہے

اگر آپ کسی کے گھر جائیں اور صدرِ خاندان کے ہاتھ میں چار مینار سگریٹ کی بجائے ڈن ہل کا قیمتی پیکٹ دیکھیں تو کھٹ سے یقین کر لیجئے کہ اس گھر کا کم از کم ایک بچہ ضرور باہر گیا ہے۔ یہ تو صرف پہلی علامت ہے۔ دوسری اور بہت سی علامتیں ہیں جن سے اس متعدی مرض کی شناخت بہ آسانی ہو سکتی ہے۔

ایک جگہ ہم کافی عرصہ کے بعد ملاقات کرنے گئے۔ دروازہ کھولنے جو لڑکی آئی وہ زمانۂ گذشتہ میں چھینٹ کا کرتا اور سفید پاجامہ پہنا کرتی تھی۔ اب جو دیکھا تو چمک والی میکسی زیبِ تن کئے ہاتھ میں "واک مین" لئے کھڑی تھی۔ رونا لیلیٰ کی ٹیپ کی ہوئی غزل کا کباڑہ کرتے ہوئے بےسری آواز میں خود بھی ساتھ گا رہی تھی۔ "آیئے" کہتے ہوئے اس نے ہمیں صاف ستھرے تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پانچ منٹ بعد اس نے ایک رنگین تصویر تھمادی جو اتفاق سے ہماری ہی تھی اور اسی وقت لی گئی تھی۔ وضاحت طلب کرنے پر جواب ملا "جی! یہ آٹومیٹک کیمرے کا کمال ہے۔ میرے چھوٹے بھائی دہران سے لائے ہیں۔ اس میں تصویر اسی وقت آجاتی ہے" ـــــ ابھی ہم آٹومیٹک کیمرے کے کمالات سے دنگ ہونے والے ہی تھے کہ صاحبِ خانہ میلے بلاؤز پر اجلی چائنا سلک کی ساڑی پہنے برآمد ہوئیں جو انہوں نے اسی وقت تبدیل کی تھی۔ کچھ دیر ہم سے بات کرتی رہیں۔ وہ اشاراتی زبان میں بچی کو کچھ کہتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی لڑکی دوسرے کمرے میں گئی۔ دو منٹ بعد کمرے سے ہوائی جہاز کے "ٹیک آف" کرنے کی آواز سنائی دی۔ ہم نے پوچھا کمرے میں ایرپورٹ ہے کیا؟۔ اس پر لڑکی تعجب سے بولی "آپ اتنا بھی نہیں جانتے؟ یہ مسالہ پیسنے کی مشین کی آواز ہے۔ منٹوں میں مسالہ پس کر نکل جاتا ہے۔ بڑے بھائی دوبئی سے لائے ہیں"۔ اتنے میں ماں نے پکارا "بیٹی! ذرا کمرے میں جلدی سے آؤ مجھے دو الائچیاں پیسنی ہیں"۔ جار سے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے دو الائچیاں [illegible] میں ڈالیں اور ایک منٹ میں الائچی

www.taemeernews.com

کا پوڈر ہتیلی میں ڈال کر دکھانے لگیں "دیکھئے! سائز کتنا باریک ہوگیا ہے"۔ پوڈر واقعی بہت باریک تھا، ہمیں نظر ہی نہ آیا۔

ایک جگہ ہمیں کھانے پر مدعو کیا گیا تھا جاتے ہی حسب عادت ہم باورچی خانے میں گھس گئے، سِل بٹے کے پاس خلاف توقع گھر کی بچی کی بجائے۔ میڈانِ جاپان کی نقلی مہر لگی ہوئی ساڑی پہنے ایک کا فرادا ماما مسالہ پیس رہی تھی۔ قریب جاکر دیکھا تو مسالہ ایک دم سفید تھا۔ ہم نے مالکن کو راز کی بات کہ پھلی ٹھیک سے بھونی نہیں گئی۔ بگھارے بیگن کا سالن لذیذ نہ ہو سکے گا۔ اس پر ابتدا میں وہ صرف مسکرائیں۔ ہماری پیٹھ پر پوری طاقت سے ہاتھ مارا، بڑی سائز کا قہقہہ لگا کر پان کی پیک ہمارے کپڑوں پر اچھالی۔ جب اطمینان ہو گیا کہ کافی چھینٹے پڑ چکے ہیں، تب انہوں نے قہقہے کو بریک دے کر حقارت سے ہمارے طرف دیکھا اور بولیں "نادان! یہ پھلی نہیں بادام ہیں بادام"۔ میرے منجھلے لڑکے نے جدّہ سے بھیجے ہیں"۔ بگھارے بیگن میں بادام سن کر ہم ان کی قسمت پر رشک اور اپنی آنکھوں میں آنسو لاکر سوچنے لگے" یا اللہ کتنا فرق ہے ہمارے اور ان کے معیار زندگی میں۔ یہاں بیگن کو بادام کا پرہیز ہونے کے باوجود اس کے پیٹ میں پسے ہوئے بادام زبردستی ٹھونسے جارہے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ڈاکٹر کی سختی سے تاکید کے باوجود بادام کھانے کی بجائے بادام کا لیبل سونگھا کرتے ہیں۔

غائبانہ نماز جنازہ کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا کہ جب کوئی دیار غیر میں مرجاتا ہے تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ ہم بھی اس اصطلاح سے واقف ہیں۔ لیکن غائبانہ چھٹی چھاتی کا رقعہ دیکھ کر ہم انگشت بدنداں رہ گئے۔ نانا جھولے پہنے حریرہ روٹی کھاتے ہوئے روپیئے سمیٹ رہے تھے کویت میں پوترے کی پیدائش ہوئی، حیدرآباد میں دھوم سے چھٹی چھاتی کی گئی۔ دادا بیٹھے کیر چاٹ رہے تھے۔

باہر جاکر آنے والوں کو دکاندار بھی خوب سمجھ گئے ہیں۔ لاڈ بازار کے کڑے والے گلزار حوض کے مارواڑی عربی میں خوش آمدید کہنا سیکھ گئے ہیں۔ ایک دن ہم کڑے لینے کے لیے لاڈ بازار کی ایک دکان پر گئے۔ باہر سے آنے والا ایک خاندان چار سو کے کڑے آٹھ سو روپیے میں خرید کر چوڑیاں پہنانے والی کو دس روپیئے ٹپ دے کر واپس جارہا تھا۔ جگمگاتے خوبصورت کڑے شوکیس کے اوپر ہی رکھے تھے۔ جوں ہی ہم نے دیکھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا دکاندار نے جھٹ کر کڑے اٹھا لیے اور بولا آپ نے اپنی صورت دیکھی ہے آئینے میں"۔ اتنے میں کڑے والے کی بچی نے اپنے ٹپ میں سے ایک روپیہ ہمارے ہاتھ میں تھما دیا۔ دھکا دے کر سیڑھیوں کے نیچے اتارتے ہوئے بولی "جاؤ اماں! آگے جاؤ، یہ بیوپار کا وقت ہے"۔

www.taemeernews.com

بچے باہر جا رہے ہیں شیخوں کی طرح خوب کما رہے ہیں، ماں باپ بھی بہت خوش حال ہو گئے ہیں، یہ سب ٹھیک ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بعض بچے شیخوں کی سی عادتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یعنی وہی..... ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا، زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنا، ٹی وی کی طرح بیوی ذرا پرانی ہوتی ہے تو پھینک دینا اور خوب سے خوب تر مال کی تلاش میں مارے مارے پھرنا۔ ایک صاحب خیر سے ایک بیوی کے شوہر اور سوا دو بچوں کے باپ ہیں اچانک انہوں نے اعلان کر دیا "میں دو شادیاں اور کروں گا۔ ایک بیوی اور اس کے گنتی کے چند بچے میری دولت کو خرچ نہیں کر سکتے"۔ چالیس سال کی عمر میں انہوں نے دوسری مرتبہ سہرا باندھا۔ پرانی بیوی کو حیدرآباد میں پٹک کر نئی کو سعودی عرب لے کر چلے گئے۔ چند دنوں بعد وہاں کے شیخوں کی دولت پر اس کی نظر پڑی، یہ خود ساختہ شیخ اس کی آنکھوں سے اتر گئے، ایک ماہ بعد اطلاع آئی کہ سابقہ بیوی اور بچوں کی ہائے ہائے مکمل طور پر انہیں لگ گئی، نئی بیوی رسی تڑا کر جو بھاگی تو اصلی شیخ کے گھر جا کر ہی اس نے دم لیا ـــــ لیکن ایسے واقعات شاذ و نادر ہی سننے میں آتے ہیں۔ عموماً کئی خاندان آسودہ حال ہو گئے ہیں، جن گھروں میں بقر عید میں مرغی بھی نہیں کٹتی تھی اب نام بہ نام بشمول نوکرانی چھ بکرے کاٹے جا رہے ہیں۔ لوگ یوں بھی کاج کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگے ہیں چھوٹے موٹے کاج بھی ہوں تو گھر کو سجایا جاتا ہے۔ گھر کے باہر لگے رنگ برنگی برقی قمقمے جھلمل کرتے ہیں گویا اپنی زبان میں کہہ رہے ہوں، دیکھو تو یہ شان! اس گھر کا ایک بچہ باہر گیا ہے۔ باہر کے یہ کرشمے دیکھ کر ہمارے بھی منہ میں پانی آیا، ہمارا تیرہ سالہ لڑکا جو اب تک بھی کبھار ہمارے ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے۔ اس سے مخاطب ہو کر ہم نے کہا "بیٹا تو کب باہر جائے گا، لاکھوں کمائے گا ماں باپ کے لیے بلڈنگ..... ہماری بات کاٹتے ہوئے اس نے بگڑ کر لہجے میں کہا۔ "زیادہ گڑبڑ نہیں کرنا ماں، باہر بھجوانے کا نام لئے تو آج سے اسکول جانا بند..... لائیے نوالہ ـــــ

نوالہ پورا کر کے بچہ خدا حافظ کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد دروازے پر کھٹکا ہوا، ہمارے کچھ رشتہ دار سعودی عرب سے آئے تھے، ادھر ادھر دیکھ کر انہوں نے پوچھا ـــــ "آپ کا بچہ کہاں ہے"۔

ہم نے سر اونچا کر کے فخریہ انداز میں کہا،

"بچہ باہر گیا ہے۔ گلی ڈنڈا کھیلنے" ـــــ

www.taemeernews.com

ڈاکٹر اختر سلطانہ

-: اُردو میں تجریدی کہانیاں :-

کہانی کی کہانی

کہانی کا آغاز اور اُس کا ارتقاء :-

قدیم دور :- کہانی کا آغاز کب، اور کیسے ہوا ہوگا ـــــ ؟ یہ بھی ایک کہانی ہے۔ سنسکرت کی ایک قدیم روایت کے مطابق خدائے برتر نے وقتِ ازل جب کائنات کی تخلیق کی تو عناصر سے پہلے آفتاب، ماہتاب اور کواکب، پھر دشت و کہسار بنائے اور آخر میں آدم کو پیدا کیا۔ تمام جامد عناصر تخلیقِ آدم میں صرف کئے گئے۔

جب حوّا کی صورت گری کا وقت آیا تو چاند سے اس کی گولائی، بیلوں سے اُن کی خمیدگی، تنوں سے انکی ثابت قدمی، گھاس سے اُس کا ارتعاش، ہنس سے اُسکا چھریرا پن، پھولوں سے اُن کی نزاکت پتوں سے اُن کی سُبک روی، ہرن سے اُسکی تیز نظری، خرگوش سے اُس کی کم حوصلگی، مور سے اُسکی خود پسندی، آفتاب کی کرنوں سے اُن کی تابانی، ابر سے اُس کے آنسو، ہوا سے اُس کا تلون، برف سے اُس کی یخ بستگی۔ Jay[1] سے اسکی یاوہ گوئی اور فاختہ سے اس کی کوک کا لوچ لیا گیا اور تمام چیزوں کو باہم مربوط کرکے اُس کی تخلیق کی گئی۔ پھر خدا نے اُسے آدم کو بخش دیا۔

آدم کی زندگی اس کے وجود کے باعث عیش و طرب اور لطف و سرور سے بھر گئی۔

کچھ روز بعد آدم، خدا کے حضور، حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

"اے معبود ـــــ! وہ مخلوق جو تو نے مجھے بخشی ہے اُس نے زندگی تلخ کردی ہے۔ وہ مسلسل بولتی ہے، متواتر التفات چاہتی ہے، بے وجہ روتی ہے۔ ہمیشہ کی آرام طلب ہے اور اتنا دق کرتی ہے جو

---

[1] "Jay" - ایک چڑیا جس کے پیر سرخ رنگ کے ہوتے ہیں، جو شور مچانے کے لئے مشہور ہے۔

www.taemeernews.com

ناقابلِ برداشت ہے۔ میں اُس کے ساتھ ایک پل بھی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اُسے لوٹانے آیا ہوں۔"

خدا نے اسے واپس قبول کرلیا۔

لیکن کچھ ہی عرصہ بعد آدم پھر خدا کے حضور حاضر تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اے مالکِ دوجہاں ـــــ جب سے وہ مجھ سے جدا ہوئی ہے، زندگی ویران ہے ـــــ مجھے یاد آتا ہے کہ وہ کیسے میری ہم رقص ہوا کرتی تھی ـــــ اُس کی ہنسی مجھے کس قدر مسحور کرتی تھی ـــــ جب آفتاب غروب ہوجاتا اور تاریکی میرے اطراف پھیلنے لگتی تو اس کا وجود کس قدر دلکش اور آرام کا باعث ہوتا تھا ـــــ وہ مجھے کس قدر عزیز تھی ـــــ اس کی ہر چیز میرے ذہن پر نقش ہے۔ میں طالب ہوں کہ وہ مجھے پھر عطا کی جائے۔" خدا نے یہ سن کر حوّا کو پھر اُس کے حوالے کردیا۔

لیکن کچھ ہی دن بعد آدم خدا کے حضور پہنچ کر یہ اصرار کرنے لگا کہ

"میری الجھن کا سبب کیا ہے ـــــ ؟ یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ حقیقتاً یہ عورت ہی خوشی سے بڑھ کر میری پریشانی کا باعث ہے۔ میں ملتجی ہوں کہ اُسے واپس لے لیا جائے۔"

خدا نے حکم دیا ـــــ

"جاؤ! اور اُس کے ساتھ نباہ کرو ـــــ!"

آدم نے احتجاج کیا ـــــ

"میں اُس کے ساتھ نہیں رہ سکتا ـــــ!"

خدا نے پوچھا ـــــ

"کیا تم اُس کے بغیر رہ سکتے ہو ـــــ؟" [1]

اس طرح آدم اور حوّا کی معیت سے جو نسل وجود میں آئی، اُس نے دنیا کی تمام سچی اور من گھڑت بےشمار کہانیاں لکھنی شروع کی جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ خالقِ حقیقی ان تخلیقات کو ختم نہ کردے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے دنیا میں انسان کا وجود اُس وقت سے ملتا ہے جبکہ وہ جنت سے اس سرزمین پر اُتارا گیا۔ مذہب انسان کو کائنات کی بزرگ اور برتر مخلوق اور زمین پر خدا کے خلیفہ

---

[1] "THE ETERNAL LOVE" By LEWIS HILL

www.taemeernews.com

کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

ماہرین ادب کا خیال ہے کہ کہانیاں اُس وقت سے پائی جاتی ہیں' جب سے انسان ہے۔ یعنی انسانی تاریخ کے ساتھ ہی کہانیوں کی تاریخ کا بھی آغاز ہوتا ہے۔

سائنسی نقطۂ نظر سے حیات کو وجود میں آئے ہوئے تقریباً تین ارب سال ہو گئے ہیں۔ " THE LAST TWO MILLION YEARS " کے مطابق جو انسانی زندگی کا مستند ریکارڈ پیش کرتی ہے۔ انسان کو اس دنیا میں قدم رکھے دو ارب سال سے زیادہ ہی ہوئے ہیں۔ دو ارب سال قبل کا انسان جو " HOMINDS " یا " MAN · 1470 · " کہلاتا ہے۔ اس کی چند ہڈیوں اور ہتھیاروں کے سوا (جو قدرتی نکیلے پتھروں پر مشتمل ہیں) اس کی تہذیب و تمدن کے کوئی اور آثار اب تک نہیں مل سکے ہیں۔ اس لئے ماہرین آثارِ قدیمہ اور مورخین اس انسان کے حالات اور اس دور کی تہذیب و تمدن اور کہانیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔

ماہرین عمرانیات ' حیات کے بارے میں سائنسی نقطۂ نظر کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ڈارون " DARWIN " کا خیال ہے کہ انسان اپنی موجودہ حالت پر مختلف مدارج سے گذرتا ہوا پہونچا ہے۔ ابتدائے آفرینش میں وہ بھی جانوروں یا نیم انسانی مخلوقات کی صف میں شامل تھا۔ ارتقاء کے متعدد مراحل کے بعد جسمانی و فطری اعتبار سے وہ اپنی موجودہ حالت پر متمکن ہوا۔ اس طرح سماجیات کے لحاظ سے انسان کی حیثیت سے عمر صرف پینتیس ۳۵ ہزار سال قرار پائی ہے۔ ان پینتیس ہزار سالوں کو تہذیب و تمدن کے آثار کے لحاظ سے مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان کے علیحدہ علیحدہ نام بھی رکھ دیئے گئے ہیں۔

برفانی عہد :۔

پہلے دور کو " ICE AGE " کہا گیا ہے۔ اس میں بسنے والے انسان کو "NEANDERTHAL" کا نام دیا گیا ہے۔ دوسرا دور " OLD STONE AGE " ہے ' جس کا انسان "PALEOLETHIC" کہلاتا ہے۔ تیسرا دور " NEW STONE AGE " ہے جو " NEOLETHIC " سے موسوم کیا گیا ہے۔ وقت اور زمانے کے ساتھ تاریخ کے اوراق پر ادوار کا یہ کارواں نئی نئی منزلوں پر رکتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔

" ICE AGE " اور " OLD STONE AGE " وہ قدیم ترین دور ہیں' جن کے بارے میں

www.taemeernews.com

قیاس کیا جاتا ہے کہ ان میں صرف دہشت و استعجاب اور خوف و ہراس کا دور دورہ ہوگا۔ بجلی کی خوفناک کڑک، بادلوں کی گرج، آبشاروں کے گرنے کی مہیب آوازیں، پرندوں کی کرخت چیخیں، جانوروں کی دل دہلا دینے والی چنگھاڑیں، انسان پر ایک عجیب ڈراؤنے کیف کا عالم طاری کر دیتی ہوں گی۔ اس دور میں جبلی طور پر حفظِ جان و ذات کی خاطر اجتماعی شکل میں رہتا ہوگا۔ اُس کی مصروفیات غذا جمع کرنا، مچھلی پکڑنا اور شکار ہی رہی ہوں گی۔ کیونکہ جو آثار ملے ہیں وہ اُس کے شکاری ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ یہ بھی قیاس ہے کہ وہم، شک و شبہ اور تذبذب کے تحت وہ کائنات کی ہر چیز کو دیوی دیوتا تسلیم کرتا ہوگا۔ ان کے ادوار کے انسانوں کی زندگی۔ اس کو پیش آنے والے واقعات اور حادثات اور اس کے جذبات و احساسات ضرور انوکھے اور دلچسپ ہوں گے۔ لیکن اس کے بھی چند ہتھیار اور لکیروں پر مشتمل کچھ خاکوں اور علامتوں کے سوا تہذیب و تمدن کے کوئی اور خط و خال دستیاب نہیں ہو سکے جن سے ہماری رہنمائی ان کی کہانیوں تک ہو سکتی۔

جدید حجری عہد :۔

"NEOLETHIC" انسان تقریباً بارہ ہزار سال پہلے اس دنیا میں بستے تھے۔ محققین کا قیاس ہے کہ یہ اپنے آباء و اجداد سے بھی زیادہ ذہین تھے۔ اپنی ضروریات کے مطابق اپنے ماحول کو بنانے اور سمجھنے کی انہوں نے پوری کوشش کی تھی۔ ضروریات کی تکمیل کے بہت سے ذرائع بھی انہوں نے ایجاد کر لیے تھے۔ اس کے باوجود علم و حکمت کی کمی اور سائنس کی عدم موجودگی کے باعث یہ بھی قدرت کے بے شمار عناصر کو دیویوں اور دیوتاؤں سے تعبیر کرتے ہوں گے۔ دریاؤں میں سیلاب آتے تو وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ پانی کا دیوتا غصہ میں ہے اور گناہگاروں کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ آندھیوں کا سامنا ہوتا ہوگا تو اس کو بھی وہ بھگوانوں کی ناراضگی سے تعبیر کرتے ہوں گے۔ بجلی چمکتی یا گرتی ہوگی تو اُس کو بھی خدا کا قہر قرار دیتے ہوں گے۔ ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنی عورتوں، بچوں اور جانوروں کو قربان کرتے ہوں گے۔ پوجا کے لئے رقص کرتے اور بھجن لازمی ہے۔ جو جادو، سحر، ٹونے ٹوٹکے، آفاتِ سماوی سے بچنے کے لئے تجویز کرتے اور پرستش و عبادت کے قوانین مرتب کرتے ہوں گے۔ یہی ہوں گے اُن کے موضوعات اور ان ہی خیالات پر مبنی بہت سی کہانیاں انہوں نے کہی بھی ہوں گی اور سُنی بھی ہوں گی جو تحریر کی عدم موجودگی کے باعث ضبطِ تحریر میں نہ آسکیں۔ لیکن اُن کے تخیل کی اڑان کہاں تک تھی ـــــ؟ ان کی مصروفیات کیا تھیں ـــــ؟ ان کی کہانیاں کیسی ہوں گی ـــــ؟

www.taemeernews.com

اُس کا اندازہ غاروں کی دیواروں اور چٹانوں پر ان کے چھوڑے ہوئے نقوش اور لکڑی پر کندہ اُن کے آرٹ کے نمونوں کی مدد سے کیا گیا ہے جو اپنی خاموشی کے باوجود بہت سی کہانیاں کہتے ہیں۔

ماہرین کا خیال ہے کہ "NIOLETHIC" دور کے مرد جب غذا کی تلاش میں دور نکل جاتے ہوں گے تو ان کی غیر موجودگی میں عورتیں ایک جگہ بیٹھ کر اپنی محبت اور نفرت کی داستانیں ایک دوسرے کو سناتی ہوں گی اور مردوں کو بھی جنگلوں میں گھومتے اور شکار کرتے ہوئے جو حالات یا حادثات پیش آتے ہوں گے، واپس آکر ان کا اظہار وہ اپنے گروہ کے افراد کے سامنے کرتے ہوں گے یا جغرافیائی تغیرات، غذا کی کمی یا کسی اور گروہ کے حملے کی وجہ سے جب وہ اپنے مقام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مقام کا رُخ کرتے ہوں گے تو اپنے پہلے مقام کی کچھ یادیں، حملہ آور گروہ کی ظلم و زیادتیوں کی کچھ کہانیاں بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہوں گے۔ کسی مقام پر بس جانے کے بعد وہ اپنے بچوں کے سامنے پچھلی یادوں کو ترتیب دے کر دہراتے ہوں گے۔ ہر قوم کے ابتدائی ادب کی ابتداء اسی طرح ہوئی ہوگی۔

جب کسی جذبے کے اظہار پر زبانی حیثیت سے اپنے آپ کو قادر نہ پاتے ہوں گے تو فنون لطیفہ کی آغوش میں پناہ لیتے ہوں گے۔ رنگ و روغن میں مقید اُن کے چھوڑے ہوئے نقوش ان کا "وحشی آرٹ" ہے۔ جن میں سے کچھ کو ان کی تحریریں بھی کہا گیا ہے، پھر جیسے جیسے وہ متمدن ہوتے گئے، نسلیں بڑھتی گئیں۔ انسانی بستیاں پھیلتی گئیں۔ نئی نئی بستیوں میں بزرگوں کی کہانیاں ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی گئیں۔ ابتدائی حرکات، اشارات، تصویریں، خطوط کی علامتیں، الفاظ کی علامتوں میں تبدیل ہوتی گئیں۔ ان ہی علامتوں کی ترقی یافتہ شکل زبان ہے۔

زبان میں جب اظہار و بیان کی پوری صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ادب میں ڈھلنا شروع ہوتی ہے۔ ادب کے ابتدائی موضوعات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مذہبی پیشواؤں نے جو (SHAMAN کہلاتے اور عام انسانوں اور دیوتاؤں کے درمیان واسطے کا کام دیتے تھے) عبادت کے قوانین، قربانی کے طریقے، آفات سے بچنے کے ذرائع کئی نسلوں تک سینہ بہ سینہ محفوظ رکھے پھر جب تحریر وجود میں آئی تو صوفیوں، منیوں، جوگیوں وغیرہ نے عرفان و تصوف کے مسائل اور مذہبی خیالات کو عوام کے لئے ان کی قابل فہم زبان میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ آنے والی نسلیں ان کو یاد رکھ سکیں اور مستفید ہو سکیں۔

www.taemeernews.com

ادب کے ابتدائی نمونے یا وہ خیالات جو سینہ بہ سینہ ماہرین ادب تک پہونچے ، ان کا مرکزی خیال تبلیغ مذہب یا اخلاقی ہدایتیں ہیں ۔ پیرائے بیان افسانوی یا فرضی قصوں کی طرح ہے ۔ دیوی ، دیوتاؤں، اپسراؤں، راکھشسوں کی مدد سے ان مذہبی رہنماؤں نے اپنے خیالات کی وضاحت کی ہے ۔ مذہبی اور اخلاقی تعلیم دینے کا یہ انداز آج ہم کو عجیب سا محسوس ہوتا ہے ۔ لیکن سماجی حیثیت سے اُس وقت کا انسان چونکہ عہد طفولیت میں تھا ، اس لئے وہ ایسی ہی تعلیمات پر ایقان رکھ سکتا اور ایمان لا سکتا تھا ۔ جو اس کی فہم کی دسترس میں ہوں ۔ قدرت کے مظاہر و آثار کے ساتھ گرد و پیش کے واقعات و حالات اور مادی حقائق سے فنکار کا متاثر ہونا لازمی ہے ۔ اِس لئے اَدب میں اس رنگ کی موجودگی تعجب خیز نہیں ۔ اس ادب میں ہم کو ان کہانیوں کے عنصر بھی ملتے ہیں ۔ جنھیں " دیو مالا ، اساطیر PARABLE اور TALE " کا نام دیا گیا ہے اور یہ ہر ملک میں ملتی ہیں :۔

> " کہانی میں بیان واقعہ ، اشخاص قصہ ، ماحول اور ذریعۂ اظہار یعنی زبان کا وجود لازمی ہے ۔ قصہ انسانی زندگی کے ایک یا کئی پہلوؤں کی کہانی ہے ۔ لیکن انسان اُس کا ماحول ، اُس کے تجربے ، اُس کا فلسفۂ حیات ، اُس کا اور ادراک ، حقیقت کا معیار ، محبت اور نفرت کے طریقے ، عمل اور ردعمل کے محرکات اور طرزِ اظہار ، ہر عہد میں بدلے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ اس لئے بیان ، واقعہ ، اشخاص ، قصہ اور ماحول کے تناسبات برابر بدلتے رہتے ہیں ۔ اس حیثیت سے کہانی قدیم قصہ گوئی سے بھی رشتہ رکھتی ہے اور جدید طرزِ فکر سے بھی ۔ "

اس کے خاکے میں ہر طرح کے نقش و نگار کو سمو کر مختلف رنگ دینے کی بہت زیادہ گنجائش ہے ۔ اس وجہ سے انسانی میراث میں سب سے زیادہ جو چیز ملتی ہے وہ کہانیاں ہی ہیں ۔ وہ تمام ممالک جہاں سے تہذیب و تمدن کی ندیاں رواں ہوئی ہیں ۔ غور سے دیکھا جائے تو ان کی کہانیوں میں خاکے ، نتیجے اور ماحول کے لحاظ سے حیرت انگیز مماثلت کا احساس ہوتا ہے ۔

www.taemeernews.com

ڈاکٹر سلمیٰ بلگرامی

خالدہ ادیب ادیوار

خالدہ ادیب ادیوار ترکی کی بہت مشہور اور اہم شخصیتوں میں سے ایک تھیں ان کا شمار ترکی کے صفِ اوّل کے مصنفین میں ہوتا ہے، ہم ان کو بجا طور پر ایک دیانت دار معلمہ، ایک بہترین خطیب، اور ترکی انقلاب کے ممتاز سپاہیوں میں سے ایک کہہ سکتے ہیں۔ وہ مشہور ناول نگار اور انشا پرداز تھیں۔ خالدہ کو انگریزی ادب سے گہرا لگاؤ تھا جس کی وجہ سے وہ خاص طور پر انگریزی ادب میں اپنی کتابوں کی وجہ سے جانی پہچانی اور مشہور شخصیت سمجھی جاتی ہیں۔ انہوں نے ترکی کی آزادی کے موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں ان کی شہرت خاص طور سے ان کے ادبی کارناموں کی وجہ سے ہوئی۔ خالدہ کی۔

TURKEY FAEES WEST, NEW YARK - THE TURKISH CERCAL NEW YORK 1928.

1930

CONFLICT OF THE EAST AND WEST IN TURKEY LONDON 1935,

کتابیں مغربی دنیا میں ان کی شہرت کا باعث بنیں۔ خالدہ ادیب کی پیدائش ۱۸۸۴ء کی ہے۔ ان کا جنم استنبول کے ایک خوشحال گھرانے میں ہوا۔ والد کا نام "محمد ادیب تھا۔ جو شاہی محل میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے۔ انہوں نے خالدہ کو جدید تعلیم کی خاطر ایک امریکن کالج میں داخل کروا دیا۔ حالانکہ اس وقت ترکی میں لڑکیوں کے لیے جدید تعلیم کا رواج نہ تھا۔ اور دوسرے ممالک کے اسکولوں میں لڑکیوں کا داخلہ قانوناً ممنوع تھا۔ اسکول میں خالدہ نے نمایاں ترقی کی۔ اور اپنے والد کے ایک دوست سے جو انگریز تھے۔ گھر پر انگریزی پڑھنا شروع کیا چونکہ خالدہ کو خود بھی انگریزی سے لگاؤ تھا اس لیے وہ بہت جلد اس زبان میں ماہر ہو گئیں، اور طالب علمی کے زمانے ہی میں انگریزی کی ایک کتاب "THE MOTHER" کا ترکی میں ترجمہ کیا۔ جو محمود اسعد افندی کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا۔ دوران تعلیم خالدہ ادیب کو اپنی ریاضی کی خامیوں کو دور کرنے کا خیال آیا۔

www.taemeernews.com

اور اپنے والد کے کہنے پر" صالح ذکی بے" سے ریاضی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی جو اپنے زمانے کے مشہور ریاضی داں تھے۔ ان کی عمر خالدہ ادیب کے والد کے لگ بھگ تھی۔ خالدہ ان سے بہت متاثر تھیں۔ اور انہوں نے صالح ذکی بے کی ذہانت۔ قابلیت اور شخصیت کا بہت کا بہت اثر قبول کیا۔ خود " صالح ذکی بے" خالدہ کی صلاحیتوں کے قائل تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نے ایک دوسرے کو رفیق حیات کی حیثیت سے چن لیا۔ اور ۱۹۰۱ء میں ان کی شادی ہو گئی۔ اس وقت تک خالدہ اپنی تعلیم مکمل کر چکی تھیں۔ خالدہ کو مضمون نگاری کا ابتدا ہی سے شوق تھا اور وہ زمانۂ طالب علمی ہی میں اپنے مضامین کی وجہ سے کافی مشہور ہو چکی تھیں۔ افسانوں اور ناولوں کے علاوہ انہوں نے اصلاحی مضامین بھی لکھے تھے۔ جس میں سوسائٹی کی خامیوں کو بے نقاب کیا تھا۔ ترکی میں ان کی شہرت خاص طور سے ان کے ادبی کارناموں کی وجہ سے ہوئی۔

خالدہ ادیب قدامت پرستی کی مخالف تھیں اور جمہوریت کی علمبردار تھیں۔ جس کی وجہ سے ان کا اثر اس زمانے کے سیاسی حلقے میں کافی ہو گیا تھا' اور ان کی بڑی عزت و توقیر کی جاتی تھی۔ یہ پہلی ترکی خاتون تھیں جو عوام کے سامنے آئیں۔ اور جنہوں نے جلسوں میں عوام کو مخاطب کیا ۱۹۰۸ء میں۔

جمہوریت پسند اہلِ قلم نے ایک اخبار" طنین" نامی جاری کیا۔ جس کی مجلسِ ادارت میں خالدہ ادیب بھی شامل تھیں اور اس اخبار کے اڈیٹر اس زمانے کے سب سے مشہور اہل قلم" توفیق حکمت" تھے۔ خالدہ کے شوہر" صالح ذکی بے" بھی اس اخبار سے تعلق رکھتے تھے۔ اس اخبار کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور تمام جمہوریت پسند یا ادبیاتِ جدیدہ کے حامی اس کے حلقۂ اثر میں آگئے۔

جب ۱۹۱۹ء میں قدامت پرستوں اور سلطان کے حامیوں نے نوجوان ترکوں کی دستوری حکومت کا تختہ الٹ دیا اور جمہوریت پسند عناصر کے خلاف بڑے پیمانے پر تحریک شروع ہو گئی تو اس وقت خالدہ ادیب کی عزت خطرے میں پڑ گئی وہ اپنا وطن چھوڑ کر اسکندریہ سے ہوتے ہوئے انگلستان پہنچ گئیں۔ اور تقریباً نو ماہ بعد اپنے وطن واپس ہوئیں۔ اور ترکوں کی تعلیمی حالت اور اس کے مسائل" پر مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ مضامین اس وقت کے کونسلر" سعید بے" کو بہت پسند آئے' اور انہوں نے خالدہ سے نارمل اسکول کے تعلیمی مسائل پر سفارشات مرتب کرنے کی درخواست کی۔ تاکہ ترکی میں نارمل اسکول کے تعلیمی نظام میں ضروری تبدیلیاں کی جا سکیں۔ خالدہ کی یہ سفارشات تمام منظور ہو گئیں۔ اور وہ استنبول میں پروفیسر مقرر کی گئیں جہاں وہ تاریخ' اخلاقیات۔ اور انگریزی ادب کی تعلیم دیتی تھیں۔ یہاں خالدہ کی زندگی ایک تلخ و ترش حادثے سے دوچار ہوئی۔ ان کے محبوب شوہر صالح ذکی بے نے ایک اور شادی کر لی۔ جس کے نتیجہ میں خالدہ کی

www.taemeernews.com

آخر یہ زندگی بے حد تلخ ہوگئی اور انہوں نے صالح ذکی بے سے خلع حاصل کر لیا۔ یہ حادثہ خالدہ کے لیے بہت سخت ثابت ہوا وہ کئی ماہ بستر علالت پر پڑی رہیں۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو سمیٹا۔ اور دوبارہ اپنی ادبی دنیا میں لوٹ آئیں۔ انہوں نے پھر سے تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا۔

اس دوران جب یورپین قوموں نے ترکی پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور مصطفیٰ کمال اتاترک نے ترکی قوم کو بیرونی ممالک کے زیر اثر لانے کے خلاف آواز بلند کی تو خالدہ ادیب بھی ان کی ہمنوا ہوگئیں۔ اسی دوران ان کے ہم خیال "ڈاکٹر عدنان ادیوار" سے ان کے تعلقات بہت گہرے ہو گئے اور دونوں نے شادی کر لی اب ان دونوں کی زندگی کا مقصد ترک قوم کو غلامی کی زندگی سے نکالنا تھا۔ وہ اب اتاترک کے ہم خیال اور ساتھی تھے جو ترکی کے وسطی حصے میں کسانوں مزدوروں اور عوام کی فوج بنا کر یورپین فوجوں سے مقابلہ کر رہے تھے سلطان وقت کے لیے خالدہ ادیب اور عدنان ادیوار دونوں ہی ایک خطرہ بن چکے تھے۔ اس لیے سلطان عبدالحمید نے ان کو گرفتار کرنے کے احکامات جاری کئے۔ اور ان کے سر کے لیے انعام مقرر کیا۔ چنانچہ مصطفیٰ کمال کی طرح خالدہ اور عدنان ادیوار بھی قسطنطنیہ سے فرار ہو گئے۔ چونکہ یہ دونوں جمہوریت پسندوں کے گروہ کے نامور اشخاص تھے اس لیے مصطفیٰ کمال نے ان کو خوش آمدید کہا۔ اور اس طرح یہ دونوں اتاترک کے شانہ بشانہ ترکی قوم کو بچانے کے لیے جدوجہد کرنے لگے۔

خالدہ ادیوار نے مصطفیٰ کمال کی رہنمائی میں جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ اور بعد میں وزیر تعلیم بنا دی گئیں۔ عدنان بے بھی قومی حکومت کے نائب صدر مقرر ہوئے۔ خالدہ ادیب اور اتاترک کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ تھا۔ لیکن دونوں کی طبیعتوں میں بڑا فرق تھا۔ خالدہ معتدل مزاج۔ جمہوریت پسند اور صبر و ضبط کا مادہ رکھنے والی عورت تھیں جبکہ اتاترک انتہا پسند اور حاکمانہ انداز رکھتے تھے وہ اختلاف رائے کو کسی حال میں برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ترکی میں قیام جمہوریت کے بعد جیسے جیسے اتاترک کا اقتدار بڑھتا گیا۔ ویسے ویسے جمہوریت ڈکٹیٹر شپ میں تبدیل ہوتی گئی۔ اتاترک سے جس نے بھی مخالفت کی وہ ان کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ اور اس دشمن کے لئے راہ فرار تھی یا پھر موت۔ خالدہ نے بھی متعدد نکتوں پر مصطفیٰ کمال سے اختلاف رائے کیا جس کی وجہ سے ان کو بھی راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ یورپ امریکہ اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں لکچروں اور تالیف کے ذریعے انہوں نے اپنے معاشی مسائل کو حل کیا۔ ۱۹۳۵ء میں خالدہ ادیب ادیوار "جامعہ ملیہ" دہلی کی دعوت پر اور ڈاکٹر انصاری کے اصرار پر ہندوستان آئیں۔ جامعہ میں ان کے کئی لکچر مختلف موضوعات پر ہوئے۔ دہلی میں ڈاکٹر انصاری کے مکان

www.taemeernews.com

"دارالسلام" میں وہ سر اکبر حیدری سے ملیں سر اکبر نے ان کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی۔ اور جامعہ عثمانیہ کے طلبا کو مخاطب کرنے کی درخواست کی وہ حیدرآباد آئیں اور ان کا قیام چار۔ پانچ دن سر اکبر کے مکان پر رہا۔ خالدہ ادیوار لیڈی حیدری (آمنہ طیب جی) کی بیحد مداح تھیں۔ حیدرآباد کی مشہور و ممتاز خواتین سے بھی ان کی ملاقات رہی ان میں سے تین کا ذکر انہوں نے بطور خاص کیا ہے۔ شہزادی در شہوار جو نظام کی بہو اور ولی عہد سلطنت کی بیوی تھیں۔ خالدہ لکھتی ہیں کہ انہوں نے عثمانی شہزادی کو تیرہ۔ چودہ برس کی عمر میں دیکھا تھا اور اب تیس سال کی عمر میں شہزادی میں اس قدر تبدیلی آچکی تھی کہ وہ بہ یک نظر ان کو پہچان نہ سکیں۔ خالدہ سروجنی نائیڈو کی بھی دوست تھیں۔ انہوں نے اپنی دوست کی دونوں بیٹیوں پدمجا اور لیلامنی کا بڑی محبت سے ذکر کیا ہے۔ خالدہ ادیب کا قیام ہندوستان میں کئی سال رہا۔ اس عرصے میں انہوں نے تمام مشہور مقامات کا دورہ کیا اور اپنے ان مشاہدات کو انہوں نے "Inside India" کے نام سے کتابی صورت دی۔ اسی زمانے میں وہ علیگڈھ بھی گئیں۔ جہاں ان کے لکچرس ہوئے۔ سجاد حیدر یلدرم نے یونین میں ان کا استقبال کیا تھا۔

اتاترک کے انتقال کے بعد وہ دوبارہ اپنے وطن واپس ہوئیں۔ جہاں ان کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ اور حسب حیثیت عہدہ دیا گیا۔ خالدہ ادیوار استنبول یونیورسٹی میں انگریزی کی پروفیسر مقرر ہوئیں۔ ساتھ ہی صدر شعبہ بھی۔ ڈاکٹر عدنان ادیوار کو وزارت تعلیم میں "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" کو ترتیب سپرد کی گئی۔ دونوں قومی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔ جنوری ۱۹۶۴ء میں خالدہ ادیب ادیوار کا انتقال ہوگیا۔ اس کے کئی سال قبل عدنان ادیوار کا انتقال ہو چکا تھا۔ خالدہ کی تحریروں میں ان کے جمالیاتی شعور اور تاثراتی طرز تحریر کے ساتھ رومانیت کا بھرپور عنصر ملتا ہے۔ ان کی تحریریں۔ ان کی تخیل پرستی کی بہترین عکاسی کرتی ہیں مگر ساتھ ہی وہ حقیقت پسندی سے بھی گریزاں نظر نہیں آتیں ان کی کتابیں "ینی توران" "آتش دان گو ملک" اور "خاندان" اپنی مثالی سیرت نگاری اور طرز ادا کی وجہ سے ترکی کے ادب عالیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کتابوں میں ترکوں کی جنگ آزادی کا ذکر ہے۔ ترک ان ناولوں کو آج بھی بیحد پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ خالدہ ادیوار نے انگریزی اور ترکی دونوں میں تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے۔ ان کی تصانیف کی فہرست بہت طویل ہے یہاں چند اہم تصنیفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ "میموائرز" (سوانح عمری) یہ انگریزی میں ہے اس میں خود انہوں نے اپنے حالات زندگی بیان کئے ہیں۔ جس سے اس زمانے کے معاشی۔ سیاسی۔ سماجی حالات کا اندازہ ہوتا ہے اس کا ترجمہ سابق

www.taemeernews.com

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین نے کیا ہے۔

2: The Turkish Ordeal — یہ کتاب بھی انگریزی میں ہے۔ اور اس کو مجموعے کا دوسرا حصہ کہہ سکتے ہیں۔ اس میں بھی ان کے حالات زندگی اور مصطفیٰ کمال کے دورِ حکومت کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

3: Turkey faces West — یہ کتاب بھی انگریزی میں ہے۔ اور اس کا موضوع سیاسی تاریخ ہے یہ بہت علمی انداز میں لکھی گئی ہے۔

4: "Conflict of East & West" — یہ بھی انگریزی میں ہے۔ جس کا اردو میں ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین نے کیا ہے۔

5: History of English Literature — اس کتاب میں خالدہ ادیب ادیوار نے بیحد ماہرانہ انداز میں انگریزی ادب کی تاریخ مرتب کی ہے

6: Yeni Turan (نیا توران) — یہ ناول ہے۔

7: Ateshdan gomlek — (آتش داں گوملک) وہ دامن جو آگ سے جل گیا۔ ناول ہے

8: Zeynonum aglu — (زین العلو) زینو کالٹ کا۔ یہ بھی ناول ہے۔

9: Kalb Agrisi — (دردِ دل) ناول۔

10: Arka bokak — (پچھلی سڑک) ناول

11: Insanlik bergist — (انسانیت پرست) ناول

12: Meddah.ve.Kize — (مداح اور اس کی لڑکی) ناول ہے۔ جس کو پہلے انگریزی میں لکھا پھر اسکا ترجمہ ترکی میں کیا۔ اس ناول میں سلطان عبدالحمید کے زمانے کی ترکی معاشرت کی جھلک ہے اور اس زمانے کے سیاسی اور سماجی مسائل کی طرف بھی اشارے ہیں۔

www.taemeernews.com

نسیم سید تراب الحسن
(ای اے ایس)

مہاراجہ کشن پرشاد

گذرے ہوئے لوگوں کی زندگی کے صحیح مطالعہ کے لئے تاریخی تصور اور اخلاقی شعور کی بے حد ضرورت ہوتی ہے بغیر اس ماحول کا تجزیہ کئے جس میں انھوں نے جنم لیا اور تربیت پائی اس بات کا اندازہ مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے دل، دماغ اور احساسات پر اس دور کی جھلک کیوں کر نمایاں رہتی ہے۔

۲۸ر جنوری ۱۸۶۴ء کو چندو لعل کے گھر جوالا بی بی کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام نجوم کے حساب سے پرشوتم داس رکھا گیا۔ مہاراجہ نریندر پرشاد جو ان کے نانا تھے اور انھیں کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ اپنے نواسے کو گود لے لیا۔ اور ان کا نام کشن پرشاد رکھا۔ مہاراجہ نریندر پرشاد کو کشن پرشاد سے بے پناہ محبت تھی انھوں نے اپنے سے لے کر راجہ ٹوڈرمل تک کی روایات اور خصوصیات خاندانی کا علم بردار بنا دیا۔

کشن پرشاد جب سن شعور کو پہنچے اسی وقت سے ان کی زبان پر گیتا اور قرآن۔ دل میں مولا اور بھگوان رہے۔ انھوں نے گیانیوں کے ساتھ آسن مار کر ہری ہر کی سمرن بھی جپی اور صوفیوں کے ساتھ دو زانو ہو کر اللہ ھُو کی صدا بھی بلند کی ان کی حسن پرستی آگے چل کر خدا پرستی کا زینہ بنی۔ موسیقی و تصوف سے انھیں لگاؤ تھا۔ وہ خود گاتے نہ تھے مگر راگ راگنی سے پوری طور پر واقف تھے۔ دھیان گیان میں ان کا وقت گذرتا اور لہو لعب میں بھی۔ ان میں وقار بھی تھا انکسار بھی کبھی رندانہ شوخی تو کبھی فلسفیانہ متانت۔ ان کے دربار کی شان و شوکت کے ساتھ ان کی منکسر المزاجی نے اور صوفیانہ رنگ نے انھیں ایک حیرت انگیز شخصیت بنا دیا تھا۔ وہ ایک اچھے امیر، سچے انسان، مفلسوں کے دوست، یتیموں کے سرپرست، وضعداری میں یکتا، مروت میں یگانہ، بڑے پایہ کے سخی اور تہذیب و شائستگی کا مجسم تھے۔ ان کے دربار میں ہر قسم کے لوگ آتے اور جگہ پاتے۔ وہ کروفر کے اظہار اور جاہ و تمکنت سے اپنا سکہ نہیں بٹھاتے تھے بلکہ جھک کر اپنے عزوقار کی مہریں دلوں پر لگاتے تھے۔ ان کی فیاضیوں میں کشادہ دلی اور دوستی میں استقامت تھی۔ کسی نے ان کو یہ کہتے نہیں سنا کہ میں نے اس کو اتنا دیا اور کسی کی طرف اشارہ کر کے یہ نہ کہا کہ اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

جہاں دولت و امارت کا قصہ ہو وہاں در و دیوار تک دشمن ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کشن پرشاد کے خلاف بھی سازشیں ہوئیں۔ انھیں ختم کرنے کی کوشش کی گئی مگر "جسے خدا رکھے اس کو کون چکھے"۔ وہ بلاؤں سے محفوظ رہے اور ۶ر ربیع الثانی ۱۲۹۱ ہجری کو "راجہ بہادر" کے خطاب سے سرفراز کئے گئے اور انھیں موروثی پیشہ پیشکاری سونپا گیا۔

www.taemeernews.com

ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ سیاسی ہی نہیں بلکہ خانگی زندگی میں بھی نہ وزارت سے پہلے نہ وزارت کے بعد ہندو مسلمان کا سوال کبھی نہ آیا۔ جب بیرونی تحریکیں حیدرآباد میں آئیں اور ہندو مسلمان کا سوال اٹھنا شروع ہوا تو انھوں نے کہا ۔

ہم دریائے راوی میں طوفان پیدا کریں تو سہا
سحر عیسیٰ اور موسیٰ کے سنگم میں افتراق پیدا
نہیں کر سکتے ۔

جو سیاسی چنگاریاں ان کے باب حکومت سے ہٹتے ہی شعلہ بن گئی انھیں دیکھ کر مہاراجہ بہادر نے ایک مضمون "ہندو بھائیوں سے خطاب" کے عنوان سے شائع کیا جس میں انھوں نے لکھا۔

میں حسباً ونسباً ہندو ہوں لیکن اس اسلامی حکومت میں وہ تمام اعزاز مجھ کو عطا کئے گئے ہیں جو اسلامی حکومت کے لئے مخصوص ہیں جو الطاف عنایات مجھ پر اور میرے ہندو خاندان پر اب تک برقرار ہیں اس پر مسلمان امراء رشک کرتے ہیں ۔

ان کے نزدیک ملکی اور غیر ملکی کا تصور ، مذہب اور مسکن کی بناء پر نہ تھا ۔ وہ کہتے کہ :

جو مالک اور ملک کی خدمت اہلیت دیانت ، اور درد سے کرے اور انسانوں کی خوشنودی کو ترجیح دے وہ سچا ملکی ہے۔ اور وہ ملکی بدترین ملکی ہے جو ذاتی اغراض کو ملک کے مفاد پر ترجیح دے ۔ یہی کسوٹی ہے جس پر میں شخصیتوں کو کہتا ہوں۔

ان کا کہنا تھا کہ جب تک ریاست حیدرآباد میں ہندو مسلم اتحاد و اتفاق ہے ۔ ریاست نیک نام ۔ دنیا میں امن و سکون اور مالک کی شہرت میں فرق نہیں آ سکتا ۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے مذہب کے متعلق جتنے منھ اتنی باتیں کوئی انھیں کبیر تو کوئی نانک کہتا ۔ کوئی نظامی کوئی صابری ، کوئی چشتی کوئی قادری کوئی ملحد تو کوئی بحرشٹ کہتا ۔ یہ باتیں ضرور ان کے کانوں تک پہنچی ہوں گی اس لئے تو انھوں نے اپنے متعلق کہا ہے ۔

میں آئینہ ہوں نظر مجھ سے جو ملاتا ہے
وہ جیسا آپ ہے ویسا ہی مجھ کو پاتا ہے

ان کے یہاں جب مذہبی مجلس ہوتیں تو ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوتے ایسی صحبتوں نے کبھی مباحثے کی صورت اختیار نہیں کی ۔ ہر مسئلہ خوش اسلوبی سے طے ہو جاتا ۔ وہ حیدرآباد اور حیدرآباد کے باہر جہاں بھی جاتے فقراء اولیاء اللہ کے مزاروں پر حاضری دیتے ۔ ہندو دھرمی ویدانتوں سے عقیدت سے ملتے ۔ چنانچہ یہ کہنا دشوار تھا کہ مہاراجہ کہاں تک مسلمان اور کہاں تک ہندو تھے ۔ ان کا مذہبی عقیدہ انسان کو ایک پاک مقصد کی جانب رہنمائی کرتا اور ایسے بلند مقام پر پہنچاتا جہاں امیر و غریب شاہ و فقیر کا فرق نہ ہو ۔ جہاں صرف امن کا دور دورہ ہو ۔

مہاراجہ کی تین ہندو اور چار مسلمان بیویاں تھیں۔ ان کے پندرہ لڑکے اور پندرہ سے زیادہ لڑکیاں تھیں۔ بچوں میں سے نو ہندو اور چھ مسلمان تھے ۔ لڑکیاں اپنی اپنی ماں کے مذہب کی پابند تھیں ۔ مہاراجہ نے داشتہ امیری کے لوازمات سے اپنے کو دور رکھا اور اپنی شرکا زندگی کو برابر رکھا ۔ رشک ، حسد اور آپس میں کسی قسم کی سازش نے ان کے محلوں میں جگہ نہ پائی اور اپنی اولادیں

www.taemeernews.com

خلوص و محبت کا رنگ بھر کر وہ انسانیت پیدا کردی جو
(امیروں) رئیسوں میں اگر عنقا نہیں کمیاب ضرور ہوتا ہے
مہاراجہ کی تعلیم و تربیت امراء کے خرانوں کے
مطابق ہوئی تھی وہ فنون سپہ گیری سے خوب واقف تھے ۔
انھوں نے اپنے ابتدائی حالات خود قلمبند کئے ہیں۔ ان کے
حالات زندگی آنے والی نسلوں کے لئے نہایت دلچسپ ،
مفید اور سبق آموز ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ دکن کی بڑی
ریاست کے مدارالمہام اور صدر اعظم تھے بلکہ اس لئے کہ وہ
ایسے نازک دور میں پیدا ہوئے جب پرانی تہذیب دم توڑ
رہی تھی اور نئی تہذیب ، نیا دور اس کی جگہ لے رہا تھا۔

مہاراجہ کی زندگی کا پہلا دور ان کی پیدائش سے
لے کر شباب کا ہے۔ جس میں ان کی تعلیم مکمل ہوئی۔ دربار
شاہی میں جانے اور سفر میں حضور محبوب علی پاشاہ کی ہم
رکابی کی سعادت حاصل ہوئی ۔ دوسرا دور وہ ہے جب وہ
اپنے آبائی اعلیٰ عہدہ پیشکاری پر فائز ہوئے ۔ وزارت
ملی ۔ تیسرا دور ان کی مدارالمہامی کا ہے ۔ تقریباً بارہ سال
تک وہ اس عہدے پر فائز رہے ۔ وہ کہاں تک (اس میں)
کامیاب رہے ۔ اس کا اندازہ حضرت غفران مکان کے
ان دو شعروں سے کیا جاتا ہے

جب شاہ کو مل جاتا ہے مرضی کا وزیر
ملتا ہے جبھی تو حکمرانی کا مزا
مخلوق نہ کیوں چین سے سوئے آصف
جب شاہ خبردار ہو بیدار وزیر

جب مہاراجہ بہادر کو صدارت عظمیٰ کا عہدہ
عطا ہوا اس وقت امراء میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی
تھی ۔ حاکم و محکوم کے درمیان خلیج حائل ہوتی جا رہی تھی
فرقہ پرستی کا زور تھا ۔ خود غرضانہ چالیں چلی جا رہی تھیں۔
لوگوں کا خیال تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اپنا وقار کھو دیں گے
لیکن مہاراجہ کے دل و دماغ نے ساتھ دیا اور انھوں نے بہت
سے فتنوں کو اٹھنے نہیں دیا ۔ وہ تاحیات اس عہدے پر فائز
رہے اور ملک کی خدمت کرتے رہے ۔

دوسروں کے عیب چھپانے کی مہاراجہ میں خاص
صفت تھی جس کی وجہ سے بہت سے لوگ دنیا کی ملامت
سے محفوظ رہے ۔ انھیں سلاطین دکن کے کارنامے سنانے
میں بہت مزہ آتا ۔ وہ واقعات کو ایسی تفصیل سے بیان
کرتے کہ گذری ہوئی تصویر سننے والوں کی نظروں میں
پھر جاتی ۔

مہاراجہ صبح چار بجے اٹھتے ۔ مختلف ریاضتیں کرنے
کے بعد باہر آتے پینٹنگ کرتے یا شعر کہتے یا خطوط لکھتے
اس کے بعد ملاقاتیوں سے ملتے اور ان کے ساتھ چائے
پیتے اس کے بعد کہیں جاتے ۔ جانے سے پہلے یہ اطمینان
کرلیتے کہ اس دن خیرخیرات کے لئے تجوری بھر دی گئی
ہے ۔ ان کی طبیعت میں خیرات دینے کی ایک طلب
سی تھی ۔ کسی دن کم خیرات ہوتی تو وہ بے چین رہتے ۔
پبلک کے فرائض انجام دینے کے بعد مکان پر رہتے تو
علمی مباحث شعر و سخن ، فنون لطیفہ ۔ تشخیص امراض ،
تجویز ادویہ پر باتیں ہوتیں ۔ مغلیہ تاریخ کے وہ قصے جن
میں ہندو مسلم باہمی محبت و سلوک سے متعلق ہوتے
بڑی دلچسپی کے ساتھ زیر بحث رہتے ۔ ان کے تفریحی
مشاغل میں عطروں کا تیار کرنا ۔ دواؤں کا بنانا ۔ جلد سازی
نقاشی ، عکاسی ، حفاظتی ۔ ناخن سے تحریر اور
نقش و نگار ، موم اور پلاسٹر سے مجسموں کا بنانا
شامل تھا ۔ ساٹھ سال کی عمر تک ٹینس ، کشتی رانی
گھوڑ سواری اور بڑے شکار میں دلچسپی لیتے رہے ۔

www.taemeernews.com

آخری زمانہ میں بلیرڈ کھیلا کرتے تھے۔ مہاراجہ کو نیچرل زندگی بہت پسند تھی۔ بارش کے موسم میں درخت کے نیچے بیٹھ کر کام کرنے میں انھیں بہت لطف آتا۔ دوپہر کے وقت منڈوے کے نیچے بیٹھتے اور کبھی بڑے درختوں کی شاخوں میں نشیمن کی طرز پر بنوائے گھروں میں رہ کر لطف اندوز ہوتے۔ مہاراجہ کو بچوں سے خاص محبت تھی اور غریب بچوں کو گود میں لینا اور پیار کرنا مہاراجہ کی معمولی عادتوں میں گنا جاتا تھا۔

فائدہ مند تحریکوں سے مہاراجہ کو خاص دلچسپی تھی ممالک محروسہ کے اندر اور باہر بہت سی تعلیمی اور سماجی تحریکیں مہاراجہ کی مرہون منت تھیں۔ ان کی جاگیر سے کثیر تعداد میں رعایتی وظیفے دیئے جاتے تھے۔ اس غیر معمولی سخاوت کی وجہ سے ہر وقت تنگدست رہتے۔ ان کو اس وقت بہت تکلیف ہوتی جب کسی سائل کا سوال ان سے پورا نہ ہو سکے۔

مہاراجہ کی طبیعت میں حد درجہ انکساری اور شرافت نفسی تھی۔ وہ اپنے پرائے کے حفظ مراتب کا بہت خیال رکھتے۔ جھوٹی شان ان کو نہیں بھاتی غرض کہ مہاراجہ کی ہر ادا خاص، ہر صفت ممتاز۔ ان کے گھر کی معاشرت، یگانہ روزگار، ان کی سیرت اہل ملک کے لئے لائق تقلید تھی۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

منجانب

اوشا الکٹرک کارپوریشن

ایم۔جی۔روڈ 61/A

سکندرآباد 500003

www.taemeernews.com

اقبال جہاں قدیر
ایم-اے، ایل ایل بی (عثمانیہ)

ملکہ حیات بخشی بیگم

قطب شاہی تاریخ گواہ ہے کہ قطب شاہی خواتین نے بھی تہذیب و تمدن کی نشوونما میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ سیاسی الجھنوں کو سلجھانے میں بھی دکن کی ریاستوں میں باہمی تعلقات نے اہم رول ادا کیا ہے۔ دکن کی ریاستوں کے سربراہوں نے آپسی رشتوں سے بھی ایک خوشگوار سیاسی ماحول کی راہیں فراہم کیں۔ حسین نظام شاہ کی بیٹی بی بی جمال کی شادی ابراہیم قطب شاہ سے ہوئی۔ ابراہیم قطب شاہ کی بیٹی چاند سلطانہ، ابراہیم عادل شاہ سے بیاہی گئی۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی بہن خدیجہ سلطانہ کو مرتضیٰ نظام شاہ کے بیٹے میراں حسین سے بیاہا گیا۔ ان خواتین نے ملکی سیاست میں بھی کچھ نہ کچھ حصہ لیا ہوگا لیکن قطب شاہی سلطنت میں جس خاتون نے پہلی بار بذاتِ خود ملکی سیاست میں حصہ لیا، وہ جمشید قلی قطب شاہ کی بیوی بلقیس زمانی تھیں۔ بلقیس زمانی نے سبحان قلی کی تخت نشینی کے لئے بہت کوشش کی۔ اس نے سیف خان عین الملک کو احمد نگر سے بلوایا اور اس کو پیشوائی کی خدمت پر فائز کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں سیف خاں بڑی جدوجہد کے باوجود بھی اپنی ان کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔

قطب شاہی خواتین میں حیات بخشی بیگم کا نام سرفہرست آتا ہے۔ شہزادی حیات بخشی بیگم، خاندان قطب شاہی کے پانچویں تاجدار، شہر حیدرآباد کے بانی اور اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر، قومی یکجہتی کے علمبردار اور بھاگ متی حیدر محل کی اکلوتی بیٹی تھی۔ محمد قلی قطب شاہ کے بسائے ہوئے شہر حیدرآباد کا نام بھاگ نگر تھا جو اس نے اپنی چہیتی رقاصہ بھاگ متی کے نام پر رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب حیات بخشی بیگم پیدا ہوئیں تو بادشاہ نے بھاگ متی کو حیدر محل کا خطاب دیا، اور بھاگ نگر کو حیدرآباد کا نام دیا۔

شہزادی حیات بخشی بیگم سنہ ۱۰۰۲ھ میں پیدا ہوئیں۔ اس خوش قسمت شہزادی کو بچپن ہی سے ایسا ماحول ملا جو اس کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں بہت معاون و مددگار ثابت ہوا۔ جس وقت شہزادی

www.taemeernews.com

حیات بخشی بیگم نے آنکھ کھولی، گولکنڈہ میں محمد قلی قطب شاہ، وجہی اور غواصی کی شاعری کے نغمے گونج رہے تھے اور شاہان گولکنڈہ شہر حیدرآباد کو ہندوستان کا دل نواز شہر بنانے میں منہمک تھے۔ حضرت میر مومن، اور علامہ شیخ محمد ابن خاتون جیسی جید اور بلند پایہ ہستیاں اپنی دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے قطب شاہی سلطنت کی داخلی اور خارجی پالیسیوں میں توازن پیدا کر رہی تھیں، چنانچہ شہزادی حیات بخشی بیگم کی شخصیت میں سیاسی بیداری، علم و ادب کا عمدہ ذوق اور تعمیر کاری سے غیر معمولی دلچسپی اسی ماحول کا اثر ہے۔

شہزادی حیات بخشی بیگم، شہزادہ محمد سلطان (محمد قطب شاہ) سے منسوب تھیں۔ ۱۰۱۲ھ م ۱۶۰۳ء میں ابوالمظفر شاہ عباس صفوی نے اغیرط سلطان کو ایک موعہدہ داروں کے ساتھ اپنا سفیر بنا کر سلطان محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں بھیجا، جس کے ذریعہ ایک خط بھی بھیجا تھا، جس میں صفوی اور قطب شاہی سلطنتوں کے درمیان اتحاد اور خیر سگالی جذبات کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔ اپنے اس سفیر کے ذریعہ شاہ عباس صفوی نے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ولی عہد کی شادی قطب شاہی شہزادی حیات بخشی بیگم سے کرنے کا آرزومند ہے۔ فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ شاہ ایران کا یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو یورے ہندوستان میں کسی اور حکمران کو نصیب ہوا۔ اس پیغام کے بارے میں سلطان محمد قلی قطب شاہ نے بہت غور و فکر کیا، آخر کار اپنے مشیر خاص حضرت میر مومن سے صلاح لی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ سیاسی حالات کے تحت اس رشتہ کو منسوخ کریں اور شہزادہ محمد سلطان سے شہزادی حیات بخشی بیگم کی شادی کر دینی چاہیئے۔ مسلسل کوشش کے باوجود ایرانی سفیر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا جس کی بڑی اور اہم وجہ یہ تھی کہ شہزادی حیات بخشی بیگم، سلطان محمد قلی قطب شاہ کی اکلوتی بیٹی تھیں، اگر اس کی شادی ایران میں کر دی جاتی تو محمد قلی کے بعد تخت نشینی کا مسئلہ اٹھتا، اس لئے بادشاہ نے اپنے بھتیجے محمد قطب شاہ سے یہ شادی انجام دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ عجلت کے ساتھ شادی کے انتظامات مکمل کر دیئے گئے۔ بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ یہ تقریب منعقد کی گئی۔ عبدالجبار ملکاپوری تذکرہ محبوب الزمن میں لکھتے ہیں کہ اس تقریب میں نظام شاہ والیٔ احمد نگر، علی عادل شاہ والیٔ بیجاپور اور عماد شاہ والیٔ برار نے بھی شرکت کی تھی۔ اپنی مرتبہ کلیات محمد قلی قطب شاہ کے مقدمہ میں ڈاکٹر سیدہ جعفر تاریخ قطب شاہی کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ ایسا شاندار جشن قطب شاہیوں نے شاذ ہی منایا ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہزادی اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اور شہزادہ محمد سلطان ظل اللہ کا خطاب پاکر ولی عہد بن چکا تھا۔ اس زمانے میں قطب شاہی دربار میں ایرانی سفیر بھی موجود تھے جس کو قطب شاہی جاہ و حشمت سے مرعوب کرنا ضروری تھا۔ یہ شادی ربیع الاول ۱۰۱۶ھ میں رچائی گئی۔ نظام حمدانی گوہر "دربار آصف"

www.taemeernews.com

میں لکھتے ہیں کہ شہر حیدرآباد کی آئینہ بندی کی گئی تھی۔ محلات شاہی کو آراستہ کیا گیا تھا اور بادشاہ نے کئی مقامات پر محفل رقص و سرور کا انتظام کیا تھا۔ ایک مہینے تک یہ جشن جاری رہا۔ اس موقع پر امرا، اکابر شرفاء اور سلحداروں کو چالیس ہزار خلعتیں عطا کی گئی تھیں۔ احمد نگر کے سفیر میر معین سبزواری نے اس موقع پر تہنیتی اشعار پیش کئے تھے۔

قطب شاہی تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ بادشاہ نے اپنی بیٹی کے لئے ایک عظیم الشان محل تعمیر کروایا تھا اور شہزادی کو شاہی محل سے رخصت کرکے اس محل میں اتارا گیا۔ کمان سحر باطل کے اندر تھوڑے فاصلے پر محلہ مٹی کے شیر میں یہ محل تھا۔ ملکۂ حیات بخشی بیگم کا شوہر محمد قطب شاہ اپنے پاکیزہ اخلاق، زہد و تقویٰ اور دین داری کی بنا پر قطب شاہی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ مکہ مسجد کی بنیاد اسی بادشاہ کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھی۔ اس کے عہد حکومت میں فضاء سیاسی طلاطم سے پاک تھی، محمد قطب شاہ کو اپنے عہد حکومت میں صنعت و حرفت اور زراعت کو فروغ دینے نئے نئے قصبات بسانے اور نئی نئی عمارتیں تعمیر کروانے کے مواقع میسّر رہے۔ ان تمام کاموں میں ملکۂ حیات بخشی بیگم اپنے روش بدوش رہتی تھیں۔ محمد قلی قطب شاہ دکنی کا اچھا شاعر بھی تھا۔ عروضی اور ظل اللہ تخلص کرتا تھا۔

جب حیات بخشی بیگم کے بطن سے شہزادہ سلطان عبداللہ پیدا ہوا تو نجومیوں نے بارہ برس تک بادشاہ کو شہزادے کی صورت دیکھنے سے منع کیا تھا۔ اس لئے اس شہزادے کی پرورش کے لئے بادشاہ نے اپنے پھوپھا میر قطب الدین نعمت اللہ کا انتخاب کیا تھا جو شہزادے کی اتالیقی اور خدمت میر جملگی انجام دیتے تھے۔ ڈاکٹر زور نے اپنے افسانے "کھویا ہوا چاند" میں ملکۂ حیات بخشی بیگم کے بیٹے عبداللہ قطب شاہ کے کھو جانے کی درد بھری داستان اور ماں کی ممتا اور اس کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ اپنے دوسرے افسانے ملک خوشنود میں انھوں نے ملکۂ حیات بخشی بیگم کی رعایا پروری اور نظم و نسق پر فنکارانہ روشنی ڈالی ہے۔ وہ ایک بیدار مغز اور مدبر خاتون تھیں۔ اس ملکہ کی داد و دہش اور تدبر کی بہت سی روایتیں حیدرآباد میں مشہور ہیں۔

۱۰۳۵ھ میں سلطان محمد قلی قطب شاہ نے طویل عمر پاکر انتقال کیا تو اس وقت شہزادہ عبداللہ کی عمر صرف ۱۲ سال کی تھی۔ اتنی بڑی حکومت کی باگ ڈور ملکۂ حیات بخشی بیگم نے اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ انہوں نے ایک مجلس ترتیب دی جس میں محمد قطب شاہ کی ماں خانم آغا، منصور خاں حبشی، ملک الماس اور ملک یوسف اور خود ملکۂ حیات بخشی بیگم بھی شامل تھیں۔ شیخ محمد ابن خاتون، شیخ محمد قاسم بیگ، احسن بیاب اور خواجہ احمد تبریزی کو اہم عہدوں پر فائز کیا گیا۔ اس ملکہ کی فہم و فراست نے قطب شاہی سلطنت کو منتشر ہونے سے بچا لیا۔

www.taemeernews.com

گولکنڈہ کالجکٹر مرتبہ ڈاکٹر محمد علی اثر میں ڈاکٹر اشرف رفیع اپنے مضمون "گولکنڈہ کی خواتین" میں لکھتی ہیں کہ:۔ — ۱۶۱۶ء میں حیات بخشی بیگم نے مغلوں کے دباؤ کو روکنے کے لئے ایران کے شاہ عباس صفوی کے پاس ایک وفد بھیجا تھا جس میں خانم آغا اور اس کی بیٹی شہر بانو بھی تھیں۔ اس نے ایک خط بھی بھیجا تھا جس میں عبداللہ قطب شاہ نے ایران سے مغلوں کے خلاف سیاسی مدد بھی طلب کی تھی۔ اسی زمانے میں ایران اور دوسرے ممالک سے اندرونی روابط جاری تھا - پھر بھی مغلوں سے خوشگوار تعلقات رکھنے کی کوشش میں ملکہ حیات بخشی بیگم اور شہزادی جہاں آرا کے درمیان تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا تھا۔ شاہ جہاں کی بیٹی جہاں آرا نے ایک موقع پر حیات بخشی بیگم کے لئے مرصع بازو بند اور طلائی پہنچیوں کی ایک جوڑ بھیجی تھی حیات بخشی بیگم نے اس سرفرازی کا نہایت عجز وانکسار سے اظہار تشکر وسپاس کرتے ہوئے ایک طویل خط لکھا تھا

ملکہ حیات بخشی بیگم کی تعلیم وتربیت ہی کے اثر سے اس کی بیٹی خدیجہ سلطان بیجاپور کی ذی عقل ملکہ ہی نہیں بلکہ اپنے دور کی ایک علم دوست ادب نواز خاتون تھیں۔ ملکہ حیات بخشی بیگم کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے مغلیہ سلطنت سے حکومت گولکنڈہ کی صلح کروائی۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے سے مغلوں کی یہ کوشش رہی تھی کہ وہ دکن کو سلطنت مغلیہ میں شامل کرلیں اور عالمگیر کے زمانے میں اورنگ زیب کے بیٹے سلطان محمد کی سرکردگی میں ایک بڑی فوج کے ساتھ حیدرآباد پر حملہ کردیا گیا۔ اس نازک وقت ملکہ حیات بخشی بیگم نے بڑی معاملہ فہمی سے کام لیا اور صلح کے لئے شاہی محل سے نکل کر مغلیہ کیمپ پہنچی۔ ملکہ نے مغل بیگمات کے ذریعہ صلح کا پیغام دیا اور سلطان عبداللہ کی بیٹی کی شادی عالمگیر کے شہزادے سلطان محمد سے قرار پانے کی تجویز بھی پیش کی۔ اورنگ زیب نے ان دونوں تجاویز پر عمل کیا۔ اس طرح ملکہ نے اپنی سوجھ بوجھ سے حکومت گولکنڈہ کو بچالیا۔ قصبۂ حیات نگر ۱۰۳۵ھ میں عبداللہ قطب شاہ کی تخت نشینی کے وقت آباد کیا گیا تھا جس کے احاطے میں ایک مسجد اور ایک خاص باغ بھی تعمیر کروایا تھا۔ یہاں بچوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ بھی کھولا گیا تھا جس کی نگرانی علامہ ابن خاتون کے ذمہ تھی۔ ماہانہ دوسو ہن اس کے انتظامات پر صرف ہوتے تھے۔ تالاب ماں صاحبہ، مسجد قطب عالم جو شمس الامراء کی کمان کے پاس ہے، مسجد متصل فتح دروازہ، دولتی مسجد متصل بادشاہی عاشور خانہ، مسجد واقع دولت خانۂ عالی اور بے شمار کنوئیں اور کارواں سرائے ملکہ حیات بخشی بیگم نے تعمیر کروائے۔ بی بی کا علم، اور بی بی کا چشمہ بھی اسی ملکہ کی یادگاریں ہیں۔ حیات بخشی بیگم نے ۷۵ سال کی عمر پائی، بروز سہ شنبہ ۲۸ شعبان ۱۰۷۷ھ ۱۶۶۶ء کو انتقال کیا۔ گنبدان قطب شاہی کی گنبد نمبر ۴، ان کا مدفن ہے۔

www.taemeernews.com

صفیہ یاسمین شاہین

انگریزی شاعری میں عورت کا مقام

مشرق کے شاعر مولانا حالی نے قوم کی خواتین سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا "اے ماؤ بہنو، بیٹیو، دنیا کی عزت تم سے ہے"۔ ادبی دنیا نے چاہے مشرق ہو یا مغرب، برائے زندگی ہو یا برائے ادب عورت کے رتبے کو خاص مقام دیا ہے۔ انگریزی ادب میں فکر و فن کے شہ پاروں میں سفر دجگہ اس صنف کے لئے پائی گئی ہے۔

مہذب دنیا نے ادب کو جنم دیا، حالات کی کروٹوں میں ادب کے تقاضے بدلے، اور ان کی وجہ سے سماج میں انقلاب آئے۔ ان انقلابوں نے پہلے پریوں اور دیوؤں کے قصے، قصۂ پارینہ بنے اور رفتہ رفتہ عام آدمی کی زندگی عالموں اور شاعروں کے قلم کا محور بن گئی۔ اسکا راست اثر ادب پر اس طرح پڑا ہے کہ شاعری کی روح رواں عورت جو صرف نازک اندام تصور کی جاتی تھی اب زمانے کے گرم و سرد کے مقابل ہوگئی اور ایک ایسی عورت کا وجود شاعری کے اوراق پر ابھرا کہ شاعر مشرق کہہ اٹھے "وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ"

دیکھیں اس "رنگ" کو انگریز شاعر کس طرح نیرنگ خیال بناتے ہیں۔ "کمزوری تیرا نام عورت ہے۔ عورت ہی کا دوسرا نام کمزوری ہے"۔ FRAILTY THY NAME IS WOMAN

یہ خیالات ہیں SHAKESPEARE کے۔ انگریزی ادب شکسپیر کے بغیر بے نور ہے سولہویں صدی کے اس شاعر نے اپنے منظوم ڈراموں میں زندہ کردار تخلیق کئے ہیں ہیملٹ کی ماں اور ایک کردار OPHELIA اسی نظریہ کی ترجمانی کرتے ہیں KINGLEAR میں یہ مادی دنیا کا پرستار بھی ہے اور انسانی قدروں کی روادار بھی۔ مرچنٹ آف وینس میں پورشیا کمزوروں کی حامی ہے اور انصاف کی ترجمان بھی۔ یہ ایک ایسی عقل مند دانش ور عورت ہے جس نے وفا کی پاسداری کی اور مطلق العنان قوتوں سے ٹکر لی ہے۔

اٹھارویں صدی کے الیگزینڈر پوپ ALEXENDER POPE نے اپنے وقت کے یوروپی سماج پر بھرپور طنز کیا ہے جس میں مصنوعیت اتنی سرائت کر گئی تھی کہ اصلیت کا شائبہ تک نہیں تھا۔ غنودگی کا نشہ، تکلفات میں ڈوبی یہ قوم نمود و نمائش کا طرۂ امتیاز بنائے ہوئے تباہی کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ کچھ تلخ حقیقتوں ...

www.taemeernews.com

طنز کا نشتر چلاتے ہوئے پوپ نے "ریپ آف دی لاک" RAPE OF THE LOCK میں ہیروئن BELINDA کی دل دوز چیخوں کا موازنہ جو اس نے ریشمی بالوں کی لٹ چوری جانے پر بلند کیں، کسی کے شوہر یا پالتو کتے کی موت کے وقت کی آہ وزاری سے کیا ہے۔

LOUD AS THE SHRLIKS WHICH REND SKIES
WHEN HUSBANDS OR WHEN LAP DOGS BREATH THIER LAST

پوپ کا مقصد اصلاح تھا اس نے قوم کی مصنوعیت سے بچنے کی صلاح دی۔ صداقت کی راہ دکھلائی اور کہا کہ جبکہ ظاہری حسن نظر تک نہیں پہنچتا ہے۔ خوبی وصف کی رسائی روح کی گہرائی تک ہوتی ہے۔

CHARMS STRIKES THE SIGHT BUT MERIT WINS THE SOUL

TENNYSON ٹینی سن نے نشاۃ الثانیہ کے دور میں آنکھ کھولی۔ یہ وہ دور تھا جب زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب آیا۔ اس دور سے مشینوں کی حکمرانی شروع ہوگئی۔ اسکو انسانی بیداری کا نام بھی دیا گیا ہے۔ مگر اس دور نے روحانی قدروں کو متزلزل کر دیا۔ لوگ مادی دنیا میں اتنے مگن ہونے لگے کہ اخلاق کی بنیادیں لرزنے لگیں۔ ٹینی سن نے نشاۃ الثانیہ ذہن کی پراگندگی سے بچنے کی کوشش کی اور اپنی نظموں میں عورت کو ایسے مقام پر دیکھنا چاہا۔ جہاں وہ اونچے مرتبے کی ہو، مظلوم و نازک اندام ہو، رنج و غم چپ چاپ سہے MAUD اور LADY OF SHALLOT کی ہیروئن ٹریجڈی کو گلے لگاتی ہوئی قارئین کی ہمدردی حاصل کرتی ہے۔ ROBERT BROWING

رابرٹ براوننگ نے روحانی قدروں کی بے قدری کے اس دور میں ایسی معصوم لڑکی کا کردار تخلیق کیا جس نے لاشعوری میں گناہگاروں کو راہ نجات دکھائی۔ براوننگ کی نظر میں عورت کے لیے گھر گرہستی اہم ہے یہ وہ چیز ہے جو اسکو قابل احترام بناتی ہے۔ گھر کی چار دیواری میں زندگی کی گتھیوں کو سلجھانے، کمی و بیشی سے الجھی فکر و تردد کے دھارے میں بہتی یہ عورت دوسروں کے لئے مینارہ نور بھی بن سکتی ہے۔

Woman liness means only motherhood. All - love begins - and - ends - here. Roams enough but having run the circle rests at home

انیسویں صدی کے اواخر نے تین اہم شاعر دنیا کو دئے۔ یہ تھے ورڈس ورتھ WORDSWORTH اسکیٹس KEATS اور شیلے SHELLY کیٹس KEATS نے اپنے چھبیس سالہ مختصر عرصہ حیات میں ادبی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ کیٹس کا تعلق شاعروں کی اس جماعت سے تھا جہاں ذرا سی بات جذبات میں ڈھل جاتی ہے۔ کائنات کی خوبصورتی بہار کی تازگی، قدرت کی صناعی اور عورت کی دلکشی شامل ہے۔ اسی لیے کیٹس نے خوبصورتی کو مسرت جاوداں کہا ہے BEAUTY IS JOY FOREVER غم مایوسی کے اندھیرے وحشت کی سراسیمگی اور ناامیدی کے ٹمٹماتے دیئے

www.taemeernews.com

کیٹس نے اپنے فلسفہ خوبصورتی سے حسین بنانے کی کوشش کی ہے اور اپنا نظریہ واضح کیا ہے کہ خوبصورتی سچائی ہے اور سچائی خوبصورتی ہے۔ "BEAUTY IS TRUTH TRUTH IS BEAUTY" کی شاعری میں عورت صرف خوبصورتی کا مجسمہ ہی نہیں وفا کا پیکر بھی ہے اور ایثار کی دیوی بھی۔ ENDYMION میں ہیرو اپنے آئیڈیل کی تلاش میں زمین و آسماں کی خاک چھاننے کے بعد ایک پیکر جمال CYNTHIA، چاند اور ہندوستانی دوشیزہ میں اپنے آئیڈیل کا عکس پاتا ہے ہیرو کی الجھن کہ کون کس سے بالا تر ہے یوں سمجھی ہے کہ جمالیاتی خوبصورتی دراصل قدرتی نظاروں میں بصورت چاند موجود ہے تو ہندوستانی عورت کے جوہر وفا کے بغیر نامکمل ہے۔ ODETOAUTMN میں کیٹس نے خزاں کو ایسی بڑھیا سے تشبیہ دی ہے جس نے عالم بہار کو اپنے چہرے پر گذری بہار کی پرچھائیاں موجود ہیں LAMIA میں کیٹس نے ایک ایسی عورت کا کردار تخلیق کیا ہے جو اپنے آپ کو سانپ اور سانپ سے عورت میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن اس صلاحیت کے باوجود وہ عورت کا روپ مستقلاً اختیار کرنے پر بے قرار ہے۔ عین اس وقت جبکہ اسکے سپنے حقیقت میں بدلنے والے تھے ایک فلاسفر نے اسکا راز عیاں کر دیا اور وہ سحر زدہ سی ہمیشہ کے لئے اپنی مسحور کن شخصیت کو فنا کر دیا اور روپوش ہو گئی۔ یہ کردار گویا عورت کا ایک ایسا روپ ہے جس میں نیکی و بدی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ نیکی کی طرف مائل اس عورت کو جب پہچان نہیں ملتی اور اس کی انا کو ٹھیس لگتی ہے تو وہ نیست و نابود ہو جاتی ہے۔

ورڈس ورتھ کے تصور کی محنتی و جفاکش SOLITARY REAPER کسی انگریزی یا بیس کی ہی نہیں ہر ملک کے لہلہاتے کھیتوں کے درمیان اپنے کام میں مگن رہنے والی عورت کی نمائندگی کرتی ہے۔

بیسویں صدی کے فلاسفر شاعر WREAK OF DUETCHLAND میں عورت سے ہی تن کے روپ میں ڈوبتے لوگوں کو ڈھارس بندھوائی۔ اس وقت جبکہ جہاز عین سمندر میں تباہ ہو رہا تھا اس عورت نے تمام لوگوں کی رہنمائی کی اور ان کو صبر سے کام لینے کی تلقین کی۔

غرض ہر دور کے شاعر نے عورت کی ہمہ رنگ شخصیت کو موضوع سخن بنایا ہے۔ کبھی وہ نکتہ چینی کا نشانہ بنی تو کبھی درس بھی گئی کبھی اسکو رہنما سمجھا گیا تو کبھی اس کو راہ دکھلانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس طرح عورت کو انگریزی شاعری میں وہ مقام ملا جسکی وہ بحیثیت انسان حق دار ہے RUNTHECIRCLERESTAT HOME

www.taemeernews.com

- بقیہ: ہندوستانی سماج اور خواتین - صفحہ ۹ سے آگے

شہری اور متوسط طبقے کے مسائل بدلے ہوئے ہیں۔ رہائش، تعلیم اور معاشی خود کفالت کے لئے انکو بڑی صعوبتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ اگر وہ ملازمت کرتی ہے تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ گھر کی ذمہ داریوں سے بچ نکلے۔ مرد باہر کام کرکے گھر میں یوں داخل ہوتا ہے جیسے بڑا تیر مار کر آیا ہے۔ عورت دفتر سے آکر تھوڑی دیر بیٹھ کر سیدھی کرنے کا حق بھی نہیں رکھتی۔ آخر کیوں ؟

اپنی بقا اور تحفظ کے لیے سماج کے گرتے اور بگڑتے ہوئے ڈھانچے میں نئی روح پھونکنے کے لئے عورت ہی کو آگے بڑھنا ہوگا اور کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اپنا جائزہ لینا بھی ضروری ہے کیونکہ جہاں مرد نے عورت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر سماج کو ہوّا بنادیا وہیں عورت نے بھی سماجی زندگی کو اپنی غلط روش سے کافی نقصان پہونچایا ہے۔ تلوّن مزاجی۔ غیبت۔ حسد۔ غصّہ۔ لگائی بجھائی اور غلط بیانی عورت کی ایسی کمزوریاں ہیں جو سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں انکا سدباب ہونا ضروری ہے۔ صبر و تحمل سے حالات کا مقابلہ کرنے کی عادت اختیار کرنا چاہیئے۔ اسی وقت وہ اپنے چھینے ہوئے حقوق کی بحالی کے لئے مقابلے کے قابل بن سکتی ہے اور اپنی آزادی، عزت نفس، روزگار، گھریلو سکون، اور شخصی وقار کی حفاظت کرنے کے قابل ہوسکتی ہے۔ سماج سے ٹکر لینے کے لیے قوت برداشت اور عزم محکم کے ہتھیاروں سے لیس ہو !!

--

مطبوعاتِ سیاست

۱۔ شاعری کے کرشمے ۹/- روپے ۲۔ گنجینۂ اشعار ۸/- روپے ۳۔ حیدرآباد کبھی ایسا بھی تھا ۱۰/- روپے
۴۔ ابجد سے شاذ تک ۲۰/- روپے ۵۔ پیغمبرانِ حق ۱۵/- روپے ۶۔ شیشہ و تیشہ ۱۰/- روپے
۷۔ حیدرآباد تب اور اب ۲۰/- روپے ۸۔ بیرونی مشاہیر ادب اور حیدرآباد ۲۰/- روپے ۹۔ شہرِ فسوں حیدرآباد ۱۵/- روپے

ادبی ٹرسٹ کی مطبوعات :- ۱۔ گذشتہ حیدرآباد ۱۲/- روپے
۲۔ جامعہ عثمانیہ ۱۵/- روپے

پتہ :- دفتر روزنامہ سیاست - جواہر لال نہرو روڈ - حیدرآباد ۱

www.taemeernews.com

ڈاکٹر بشریٰ عبد الواحد

محترمہ وحیدہ نسیم صاحبہ

جامعہ عثمانیہ کی مایۂ ناز بیٹی

محترمہ وحیدہ نسیم کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ حیدرآباد کو وطن مانتی ہیں اور جس دن سے انھوں نے شاعری شروع کی اس دن ہی سے ان کے نغمات وطن کی فضاؤں میں گونج رہے ہیں۔ جس طرح انھیں وطن عزیز ہے اسی طرح وطن میں بھی ان کی قدر و منزلت ہے۔ اور زیادہ کی جانی چاہیئے۔

میرے بچپن میں گھر میں محترمہ کی ایک نظم بہت مقبول تھی جس کے دو شعر مجھے آج تک بھی یاد ہیں غالباً گرمیوں کا منظر کھینچا گیا تھا ؎

وہ تخت بڑے دالانوں کے   وہ لوٹل کے کسفے پانوں کے
باہر وہ سکورے پانوں کے   اندر وہ کٹورے چاندی کے

یہ نظم کاکوری اخبار میں چھپی تھی۔ اچانک محترمہ کے حیدرآباد آنے کی اطلاع نے ان سے ملاقات کے لئے بے چین کردیا۔ ویسے تو زندگی میں کئی بڑی بڑی خاتون ادیب وشاعرہ سے ملاقاتیں ہوئیں جو یقیناً قابل تھیں لیکن جب میں نے محترمہ وحیدہ نسیم سے ملاقات کی تو میں نے محسوس کیا کہ یہ تو علم کا ایک "آبشار" ہیں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی خاتون میں بیک وقت اتنی ساری خوبیاں میں نے پائیں۔ جو نہ صرف ایک شاعرہ، ادیبہ اور ناول نگار ہیں بلکہ تحقیق پر جو کچھ انھوں نے کام کیا ہے وہ گراں مایہ ہے۔ ان کے اشعار سلاست، روانی، جذبات نگاری، ماحول کی عکاسی، عمدہ الفاظ، عمیق خیالات سے بھرپور ہیں۔ بقول محترمہ کے :-

میں نے شاعری کو چھوڑ دیا لیکن شاعری نے مجھے نہیں چھوڑا

وہ سراپا خلوص و اخلاق خود ہیں اور ان کے اشعار انسان کو اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں۔ وہ بے حد وطن پرست واقع ہوئی ہیں حیدرآباد سے انھیں بے حد لگاؤ ہے اور دوستوں سہیلیوں کی بھی بے حد دلدادہ ہیں جیسا کہ ان کے تازہ ترین اشعار سے ظاہر ہے۔

www.taemeernews.com

الوداع اے وطن الوداع اے وطن

تیری محفل سے جاتی ہوں باچشم نم — تیری یادیں [illegible] ہیں گے [illegible]
آج میں گھومتی ہوں یہاں چار سو — [illegible] نگاہوں میں [illegible] کا ہر وقت تو
اک غریب الوطن کی صدا ہے یہی — جاتے جاتے سنو یہ دعا ہے یہی
یونہی ساغر بہ لب تیرے ساقی رہیں — عظمتوں کے نشاں تجھ میں باقی رہیں
فرش مسجد کے سجدوں سے سجتے رہیں — تیرے مندر میں ناقوس بجتے رہیں
میرے کالج کا گلشن مہکتا رہے — ریزیڈنسی کا سبزہ بھی [illegible]
ہو میسر تجھے نشاۃ ثانیہ — میری یونیورسٹی میری عثمانیہ

الوداع اے وطن الوداع اے وطن

●

انھیں وطن چھوڑے (۳۸) سال ہوگئے لیکن حب الوطنی کا یہ عالم ہے کہ آج بھی خود کو غریب الوطن کہتی ہیں ۔ ان کے اشعار میں اکثر وطن کی یاد ملیں گی ۔

شاعری کے سلسلے میں انھوں نے مجھے ایک نکتہ کی بات بتائی کہنے لگیں شاعری مرد بھی کرتے ہیں اور عورتیں بھی کرتی ہیں لیکن دونوں کے جذبات کا فرق ہم آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں ۔ جیسا کہ انھوں نے مثال کے طور پہ اپنے چند اشعار سنائے ۔

●

طبیعت جب غم دنیا سے اکتائے ، چلے آنا
خیال بے کسی جب دل پہ چھا جائے ، چلے آنا

نہ دل چاہے تو مت آنا بلائیں لاکھ ہم تم کو
ہماری یاد لیکن جب تمہیں آئے ، چلے آنا

کہیں نیرنگیوں میں دل جو لگ جائے تو رہ جانا
کسی صورت نہ جب رنگ جہاں بھائے چلے آنا

www.taemeernews.com

مجھے ان اشعار میں نہ صرف نسوانیت جھلکتی دکھائی دیتی ہے بلکہ ان میں ایک خالص مشرقی عورت اپنی پوری آب و تاب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ محترمہ یوں تو سائنس کی طالبہ ہیں۔ انھوں نے باٹنی (BOTANY) سے ام۔ ایس۔ سی کیا ہے۔ اردو میں غیر معمولی قابلیت کی حامل ہیں۔ کہیں کہیں اپنے اشعار میں وہ ایک گھریلو عورت دکھائی دیتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

دوکانوں پہ نگوں کی چوڑیاں کیا جگمگاتی ہیں
گندھے پھولوں کے گجروں سے ہے گلیوں میں نکھار ابھی
سجی ہیں چوک کی مسجد پہ کیا مہندی کی دوکانیں
مہک اٹھتی ہیں راہیں عطر سے کیا بار بار ابھی

ادھر یہ گھریلو خاتون جو مہندی اور چوڑیوں میں اپنا دل الجھائے تھی خلد آباد شریف جا پہنچی ہے اب اولیاء اللہ کے مزارات پران کا جذبہ عقیدت یوں ابل پڑتا ہے ؎

ادائے سرفرازی دی ہے اس کو خاکساروں نے
یہاں سجدہ کیا ہے آ کے کتنے تاجداروں نے

ہمیشہ رشک سے دیکھا ہے اس کو بادشاہی نے
نگینے جڑ دیئے اس میں وہ محبوب الٰہی نے

یہاں جھونکے ہوا کے با ادب ہو کر گزرتے ہیں
وضو کرتے ہوئے کہسار سے بادل گزرتے ہیں

اسی خاموش بستی میں تصوف کا ہے میخانہ
یہ گنبد آج بھی ہیں گردش دوراں سے بیگانہ

نسیم بے نوا اشکوں کا آئی ہے لے کے نذرانہ
نگاہ لطف سے بھر دیجئے اس کا بھی پیمانہ

وہ پیدائشی شاعرہ ہیں وہ کہتی ہیں اشعار ان پر نازل ہوتے ہیں اور یہ صلاحیت انھیں خداداد ہے ان کے تین شعری مجموعے پانچ افسانوی مجموعے گیارہ عدد ناول ایک سفرنامہ اور دو تحقیقی کتابیں "عورت اور اردو زبان" اور "شاہان بے تاج" شائع ہو چکی ہیں کل ملا کر ماشاءاللہ (۲۳) کتابیں ہیں۔ ایک خاتون کی اس بے پایاں قابلیت پر نہ صرف انھیں قابل مبارک باد سمجھتی ہوں بلکہ خود بھی بجا طور پر فخر و ناز کرتی ہوں۔ ان کی شخصیت و فن کے اظہار کے لئے ایک مکمل کتاب کی ضرورت ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی والوں کو اس مایہ ناز طالبہ کو نہ صرف ڈاکٹریٹ کی ڈگری بلکہ ڈگریاں دینا چاہئے۔ نیز ان کی تحقیقی کتابیں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ "عورت اور اردو زبان" ایک نہایت معلوماتی اور دلچسپ

www.taemeernews.com

کتاب ہے۔ ایسی تحقیق کوئی آسان کام نہیں۔ "شاہانِ بے تاج" جس میں خلد آباد شریف میں بسنے بزرگانِ دین کی آخری آرام گاہ ہے۔ سب کی تفصیل درج ہے۔ ان کی ہم جولیوں کو جو یہاں موجود ہیں اور انھیں کی طرح کم و بیش قابلیت رکھتی ہیں۔ اور صاحبِ اقتدار ہم وطنوں کو چاہئے کہ انھیں یونیورسٹی سے ڈگری دلوائیں اور ان پر تحقیقی کام کے لیے کسی طالب علم کو اسکالرشپ دے کر مقرر کروائیں۔

"یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ"

جاتے جاتے انھوں نے ایک شعر وطن کی نذر کیا ہے ؎

گردشِ دوراں سے ہر ذرہ ہو بیگانہ تیرا
اے وطن کی خاک اک آنسو ہے نذرانہ مرا

نیک تمناؤں کے ساتھ

منجانب

الکٹرک سنٹر

پولیس اسٹیشن 4-1-289

ترپ بازار۔ حیدرآباد 500001

www.taemeernews.com

خورشید حمید پاشا

عورت اور سماج

عورت، تخلیق عالم کی شاہکار۔ شاعر کی غزل کا عنوان، پیکر خیال، مجسمۂ حسن و جمال، صنف نازک کہلاتی ہے۔ جسمانی اعتبار سے مرد کے مقابلہ میں کمزور لیکن روحانی۔ اخلاقی سماجی۔ قومی لحاظ سے ایک مضبوط ہستی ہے۔ گھریلو مسائل ہوں کہ سماجی۔ اخلاقی و قومی۔ اسوقت تک بہ آسانی حل نہیں ہوتے جب تک کہ عورت مرد کے ساتھ برابر کا حصہ نہ لے۔ عورت میں ایسی صفت پائی جاتی ہے۔ جس سماجی ڈھانچہ میں اسکو جگہ مل جائے وہ اپنا کردار بحسن وخوبی ادا کرتی ہے۔ باپ کے ساتھ ماں۔ بیٹے کے ساتھ بہو۔ بھائی کے ساتھ بہن۔ جس روپ میں اسے ڈھالو۔ ڈھل جاتی ہے۔ وہ صبر ورضا کا پیکر۔ ایثار و وفا کی دیوی کڑے سے کڑے آزمائش میں پوری اترتی ہے۔ اسلام میں تو عورت کا درجہ بہت بڑا ہے۔ وہ آدم کی پسلی سے بنی ہے۔ آدم کی ساتھی ہے۔ حضور اکرمؐ کا کہنا ہے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے عورت کے ساتھ حسن خلوص اور نرمی سے کام لینا چاہیئے۔ سرور کائنات نے عورت کے تقدس و احترام کا بہت اعلیٰ معیار پیش کیا۔ اسکے قدموں تلے جنت ہے۔ ماں کے رشتہ سے۔ بیٹی کے رشتہ سے وہ الفت و رحمت کی مستحق ہے۔ بہن کی شکل میں بے انتہا پیار کی اولین مستحق۔ اسلام نے بیوی کے روپ میں گھر کی حکمران و نگہبان قرار دیا ہے۔ مرد عورت کی عصمت وعفت کا پاسبان ہے۔ یقیناً مرد کی محبت و ہمدردی کی اولین مستحق ہے۔ جس گھر میں، عورت دکھی ہوگی اس گھر سے امن و سکون غائب ہو جائیگا۔ اسلام نے عورت کو مرد کا دست راست قرار دیا ہے۔ ایک عورت کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا گویا ایک گھر کو ایک خاندان کو ایک قبیلہ کو علم کی روشنی سے منور کرنا ہے۔ عورت جنگ و جدل میں بھی مرد کا ساتھ دیتی آئی ہے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت میں بھی۔ بچہ کی تعلیم کا پہلا زینہ ماں کی گود ہی تو ہے۔ ان سب حقائق کے باوجود بھی ہم لڑکے اور لڑکی کی تعلیم وتربیت میں بڑا فرق کرتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ ہمارے سماجی ماحول میں لڑکا اور لڑکی

www.taemeernews.com

کی اٹھان میں بہت بڑا فرق کیا جاتا ہے۔ ہم لڑکیوں کو سکھاتے ہیں کہ وہ ماں باپ بھائی رشتہ داروں کی خدمت کریں۔ گھر گرہستی سنبھالیں شادی کے بعد مجازی خدا جان کر خدمت کریں۔ اسکے ہر حکم کا احترام کریں۔ بچپن ہی سے جب لڑکا اور لڑکی ساتھ کھیلتے ہیں تو ہم کہتے ہیں۔ جاؤ بیٹی بھائی کے لیے ناشتہ کھانے کا انتظام کرو۔ اسکا بستر لگاؤ۔ کمرہ صاف کرو۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ لڑکی اور لڑکا دونوں تھک کر گھر آئے ہیں۔ ہمارے اس طرز عمل سے لڑکا اپنے آپ کو گھر کا حکمراں سمجھنے لگتا ہے۔ اور آرام طلب بن جاتا ہے۔ عورت پر حکومت کرتا ہے۔

اب زمانہ بدل چکا ہے۔ ہم مغرب کی تقلید تو کرتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ وہاں سماجی ماحول میں لڑکا اور لڑکی دونوں کو یکساں مرتبہ دیا جاتا ہے۔ حصول تعلیم میں یکساں مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ افزائش نسل میں مرد عورت دونوں کا برابر کا حصہ ہے دونوں کا تعاون ضروری ہے۔ دونوں کو ماں باپ کے فرائض یکساں طور پر انجام دینے پڑتے ہیں۔ دونوں میں احساس ذمہ داری پیدا کیا جاتا ہے ایک دوسرے پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ نہ کوئی برتر ہے۔ نہ کوئی کمتر۔ اگر میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اصولاً قانونی طور پر علحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور بچوں کی پرداخت کا انتظام قومی طور پر کیا جاتا ہے۔ اسکے برعکس ہم تو لڑکی کو پرایا دھن سمجھتے ہیں۔ اسکو شوہر کی غلامی کے ڈھنگ سکھاتے ہیں۔ شوہر کی خوشنودی کے لئے وہ زیادہ سے زیادہ جہیز کی رقم لائے۔ مشترکہ خاندان کی ذمہ داریوں کو ایک کنیز کی طرح انجام دے ورنہ لڑکی پر ظلم و ستم ڈھایا جاتا ہے۔

مردہ شوہر کے ساتھ زندہ جلا دی جاتی ہے تاکہ لڑکی کی لائی ہوئی دولت لوٹانی نہ پڑے۔ اگر سماج میں عورت کو صحیح مقام دینا ہے تو پہلے اپنے سماجی ماحول کو بدلنا ہوگا۔ لڑکیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑیگا۔ لڑکوں کو محنت سے کما کر بہنوں کی شادیوں کا انتظام کرنا پڑیگا۔ اپنی [illegible] کی قربانی کرنے کے۔ خاندانی عظمت کے جھوٹے بندھن توڑنے کے لیے ہمارے نوجوان لڑکوں [illegible] اپنا صحیح مقام پیدا کرنا ہوگا۔ گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانا ہوگا۔ بدلے ہوئے سماجی ماحول میں عورت اور مرد دونوں کو مساویانہ حقوق ملنا چاہیئے۔

www.taemeernews.com

ڈاکٹر حسن الدین احمد

ایک ہمہ گیر شخصیت

زمانے میں کئی تبدیلیاں ہوئیں ، شاہی دور ختم ہوا ۔ جمہوری دور کا آغاز ہوا ۔ ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی ۔ کئی ممتاز مشہور و معروف شخصیتوں نے جنم لیا ۔ ہندوستان نے ایسے عظیم مفکر بے شمار دانشور ، مصلح ، رہنما اور شاعر و ادیب پیدا کئے جن پر ملت و قوم کو بجا طور پر ناز ہے ۔ حیدرآباد کی سرزمین ، مسلم کلچر اور اردو زبان و ادب کا گہوارا رہی ۔ دلی اور لکھنو کا دبستان اجڑ جانے کے بعد حیدرآباد ہی واحد مرکز رہ گیا تھا ۔ حیدرآباد کی سرزمین میں سرکاری زبان [illegible] کی زبان اردو تھی ۔ معیاری لٹریچر نے جنم لیا ۔ ماضی کی روایات اور [illegible] کی باقی ہیں ۔ [illegible] لکھنے والے [illegible] کو بلا شبہ [illegible] انہی اہم شخصیتوں میں جناب حسن الدین احمد کا تعلق عزیز باغ جیسے [illegible] باغ سے ہے ۔ عزیز باغ کے مکینوں کی اہم خصوصیات یہ تھیں کہ ان ہستیوں نے ہر زمانے سے اپنے آپ کو ملی مسائل سے ہم آہنگ رکھا [illegible] روشن پہلوؤں سے خود کو وابستہ کیا [illegible] زندگی کی اعلیٰ قدروں کی نشان دہی کی اور سلیقہ مندی اور میانہ روی کی زندگی کو اپنایا ۔

جناب ڈاکٹر صاحب کے والد بزرگوار علی الدین احمد نواب دین یار جنگ تھے ۔ موصوف ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے اور محکمہ مال میں سوم تعلقدار اور اول تعلقدار رہے ۔ اس کے بعد امور مذہبی میں ناظم کی حیثیت سے مامور ہوئے ۔ ۱۹۴۰ء میں بہ حیثیت کوتوال بلدہ ان کا تقرر عمل میں آیا ۔ اور پولیس ایکشن کے وقت سٹی پولیس [illegible] اور [illegible] پولیس [illegible] کوتوالی کے عہدہ سے [illegible] کئے ۔ آپ ہی کے نام [illegible] جناب حسن الدین احمد ہیں ۔ آپ دین یار جنگ کے بڑے صاحبزادے [illegible] حسن الدین احمد صاحب کی چار بہنیں اور ایک بھائی ہیں ۔

جناب حسن الدین احمد کی تاریخ ولادت [illegible] ۱۹۲۳ء ہے ۔ آپ کی ابتدائی اور وسطانی تعلیم جالنہ میں ہوئی اور فوقانی تعلیم سٹی کالج حیدرآباد [illegible] آپ کا ذریعہ تعلیم اردو تھا [illegible] انٹرمیڈیٹ اور گریجویشن جامعہ عثمانیہ سے کیا ۔ ۱۹۴۳ء گریجویشن مکمل کرنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں [illegible] سند حاصل کی ۔

www.taemeernews.com

آپ کے والد سید [illegible] شاہ صاحب [illegible] و تاریخ تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ نے [illegible] ڈگری حاصل کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد ۱۹۴۵ء میں مددگار [illegible] کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ اور ۱۹۶۰ء میں DEPUTATION پر انگلستان، ترکی اور دیگر یورپی ممالک تشریف لے گئے۔ جون ۱۹۴۸ء میں یوروپی ممالک سے حیدرآباد واپس لوٹنے پر ناظم امور مذہبی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اور محکمہ مال سے منسلک رہے۔ ڈپٹی کلکٹر اور اسپیشل آفیسر آف سوشل سروس کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ پھر I.A.S پر ترقی دیگئی۔ بعدازاں جوائنٹ کلکٹر مقرر ہوئے۔ اسپیشل کلکٹر سٹلمنٹ ناگرجنا ساگر کے عہدوں پر بھی اپنے فرائض حسن وخوبی سے انجام دئے۔ ڈائرکٹر سروے اینڈ سٹلمنٹ اور دلی میں وزارت قانون میں ڈپٹی سکریٹری اور مجلس مال میں جائنٹ سکریٹری اور فارسٹ اور ایمیں ہینڈلری میں بھی جوائنٹ سکریٹری کے فرائض انجام دیئے اور ۱۹۸۱ء میں ڈائرکٹر آف اسٹنٹ کے عہدہ سے موصوف سبکدوش ہوئے۔

زمانے طالب علمی میں ٹیس میں صرف ٹینس سے دلچسپی تھی اور آپ کو اردو سے بھی بے حد دلچسپی رہی۔ حسن الدین احمد صاحب کو بہت کچھ ورثے میں ملا۔ اس سے زیادہ انہوں نے خود اپنی ذاتی جدوجہد اور لگن سے حاصل کیا۔ ان کے یہاں علم وادب کی [illegible] بھی لگن اور پیاس ہے جو انہیں کبھی بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی علمی وادبی منصوبہ کی تکمیل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ وہ یہ سب اپنے ذوق کی تسکین کے لئے کرتے ہیں "تصنیف وتالیف"

نہ صرف ان کا محبوب بلکہ واحد شغلہ ہے۔ انہوں نے ٹوکیو میں اردو کے پروفیسر R GRINS سے بھی ملاقات کی [illegible] ۱۹۷۵ء میں ملازمت سے [illegible] مغربی ممالک کا دورہ [illegible] جس کا مقصد رشتہ داروں اور دوست واحباب سے ملاقات تھی۔ وہاں پر یونیورسٹی [illegible] کے شعبہ میں کام کیا۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۷ء تک اپنے قیام امریکہ کے دوران AN EASY WAY TO UNDERSTAND QURAN کے دو حصے مرتب کروائے۔ قرآنی [illegible] کے یہ دو حصے ایک اہم پراجکٹ کا [illegible] ہیں۔ جس کا مقصد مسلمانوں میں قرآن فہمی کو عام کرنا اور قرآن کو خود سے سمجھنے کی استعداد کرنا ہے۔۔۔ قرآن مجید کے جملہ الفاظ کو CORPUS قرار دے کر قرآن مجید کے [illegible] کیا گیا۔ پہلے حصے میں آٹھ سو بالیس الفاظ کو شامل کیا گیا ہے جن کی تکرار قرآن مجید میں دس یا دس سے زائد ہے دوسرے حصے میں ان نو سو چھتر (۹۷۶) الفاظ کو شامل کیا گیا جن کی تکرار قرآن مجید میں پانچ سے نو تک ہے۔ ان سے زیادہ چالیس الفاظ حرف عطف جار اور [illegible] ایسے ہیں جن کی تکرار بھی زیادہ ہے اور جو قرآنی آیات کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے اس کا ترجمہ [illegible] فرانسیسی میں بھی کروایا گیا۔ اور اس کے اردو ایڈیشن ہندوستان اور پاکستان سے بھی شائع ہوئے۔ شکاگو میں ادبی محفلوں میں آپ کی شرکت کافی سراہی گئی۔ نیز امریکہ۔ کناڈا۔ برطانیہ میں امیر خسرو سوسائٹی قائم کی۔ سازِ مغرب کے نام سے [illegible] انگریزی شاعری کے اردو نظمیں جمع کئے۔ [illegible] مضامین اور خاکے "انجمن" [illegible]

www.taemeernews.com

محفل نظم شائع ہو چکے ہیں

گیارہ سال تک اپنی عمر کے بہترین [illegible] صرف کرکے اردو الفاظ شماری پر کتاب لکھی - اور خطیر رقم خرچ کرکے طبع کروایا - یہ کتاب ۱۲×۹ بڑی تقطیع اور ۱۲۰۰ صفحات پر محیط ہے - اور اردو زبان میں اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے - ناقدین اور تبصرہ نگاروں نے اس کتاب کو ایک تحقیقی پراجکٹ قرار دیا - اس کتاب کی رسم اجرا ۱۷ ستمبر ۱۹۷۳ کو شریمتی اندرا گاندھی کے ہاتھوں عمل میں آئی - فطری علاج پر ایک رسالہ لکھا - پچاس سے زائد اردو کتابوں پر سیر حاصل مقدمے لکھے ـــــ ۱۹۶۱ء میں شمس العلماء عزیز جنگ ولا کی یاد میں ولا اکیڈمی قائم کی اور دیکھتے ہی دیکھتے قلیل مدت میں مختلف مصنفوں کی مختلف موضوعات پر متعدد کتب شائع کرکے قدیم اردو اداروں اور ناشرین کو غرق حیرت کردیا - ۱۹۵۴ء میں عالمی مذہبی کانفرنس اور عالمی امن کانفرنس میں مندوب کی حیثیت سے شرکت کے لئے جاپان گئے - جہاں [illegible] اور عالمی امن کے عنوان پر ایک پر مغز مقالہ پڑھا - اور ریڈیو جاپان سے بھودان تحریک پر ایک تقریر نشر کی - [illegible] ان سے باہر دیگر ممالک میں زبان اردو کے استفادہ کے لئے پستک دان [illegible] بطور امداد چندہ جمع کئے - نیز جاپان، روس، چیکوسلواکیہ اور اسرائیل میں اردو کے کتب خانے قائم کئے -

محبوب نگر ضلع جو آندھرا پردیش کا ایک اہم ضلع ہے - وہاں غالب ہال ان ہی کی سعی کا نتیجہ ہے

حسن الدین احمد صاحب کے چچا مولوی رکن الدین احمد صاحب وفا وظیفہ یاب ڈپٹی اکاونٹنٹ جنرل فینانس [illegible] ماہر اور اردو و فارسی کے شاعر ہیں - حضرت وفا کے صاحبزادے جناب محمد عبدالعزیز صاحب اردو کے شاعر اور مذہبی و تہذیبی سرگرمیوں کے روح رواں ہیں - ڈاکٹر صاحب کی شریک حیات محترمہ انیس فاطمہ صاحبہ مولوی رکن الدین احمد صاحب وفا کی دختر ہیں - انہوں نے جامعہ عثمانیہ سے بی - اے بی - ایڈ کیا - اور موصوفہ بھی کئی کتابوں کی مولفہ ہیں ان کی مشہور کتابیں حیات حالی اور حیات سرسید ہیں - آپ بلدیہ حیدرآباد کی کونسلر بھی رہ چکی ہیں محترمہ انیس فاطمہ صاحبہ بھی اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے شوہر کی مصروفیات میں برابر کی شریک رہیں - آپ کی آغوش تربیت میں دو فرزندوں شمس الدین احمد اور ظہیر الدین احمد نے پروان چڑھا - بڑے صاحب زادے انجنیر ہیں اور چھوٹے امریکہ میں M.B.A کی تعلیم مکمل کرکے کمپیوٹر کے بھی ماہر بنے -

عزیز باغ کی خاص عمارت جو حسن و سادگی کا نمونہ ہے - یہ عمارت ماضی کا شاندار نمونہ ہے اور مستقبل کے لئے دعا ہے کہ یہاں کے مکین اسی طرح خیر سگالی کا جذبہ اور اپنی روایات کو قائم رکھیں گے -

www.taemeernews.com

آر۔ بانو
(ریٹائرڈ ٹیچر)

میر تقی میر

حالات اور شاعری

(۹ دسمبر ۹۰۰۰ کو ماہانہ اجلاس "محفل خواتین" میں یہ مضمون سنایا گیا۔)

ماہانہ اجلاس ۹ ستمبر ۸۹ء کو محترمہ رفیع رؤف صاحبہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں ادبی مضامین اور افسانوں وغیرہ کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "ادب عالیہ سے بھی استفادہ ضروری ہے۔ اب تک ماضی کی روایات اور ادبی کارنامے ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ انھوں نے اپنی ذہنی صلاحیتوں اور دماغی کاوشوں سے ادب میں جو راہیں متعین کی ہیں خواہ وہ نثر کی ہوں یا شعر کی ہمارے لئے ایک بیش بہا سرمایہ ہیں۔"

میر کا پورا نام محمد تقی تھا۔ والد کا نام میر متقی۔ میر تقی میر اکبرآباد میں ۱۷۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ کمسنی میں ہی والدین کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ سوتیلے بھائیوں کا سلوک ناقابل برداشت رہا۔ بچپن ہی سے انھیں شاعری کا شوق تھا۔ والد کے انتقال کے بعد وطن چھوڑ کر دلی چلے آئے۔ سراج الدین علی خاں آرزو کے ہاں رہے جب دلی کے حالات بدل گئے تو مجبوراً بادل ناخواستہ لکھنؤ کا رخ کیا۔ جس وقت وہ لکھنؤ پہنچے وہاں ایک مشاعرہ ہو رہا تھا۔ میر بھی روانہ ہوئے۔ ایک غزل لکھی اور مشاعرہ گاہ میں داخل ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ اس وقت میر صاحب کی یہ ہیئت کذائی تھی، یہ لباس تھا۔ خضاب دار پگڑی، پچاس گز کے گھیر کا انگرکھا، ایک رومال دھاری دار تہ کیا ہوا، کندھے پر پڑا ہوا، مشروع کا پائجامہ جس کے ڈھیلے ڈھالے عرض پائنچے، ناگ پھنی کی انی دار جوتی جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک، کمر میں ایک طرف سیدھی تلوار، دوسری طرف کٹار، ہاتھ میں جریب۔ غرض جب داخل محفل ہوئے تو شہر لکھنؤ کے بانکے نوجوان انھیں دیکھ کر ہنسنے لگے۔ میر صاحب بیچارے غریب الوطن، زمانہ کے ہاتھ سے عزیز و اقارب کے غم کھوئے، پہلے ہی دل شکستہ تھے اور بھی دل تنگ ہوئے گویا مرے پہ سو درے ہوئے۔

جب شمع ان کے سامنے آئی تو سب نے ان کی طرف توجہ کی۔ کسی نے پوچھا "حضور کا وطن کون سا

www.taemeernews.com

ہے؟ کہاں سے تشریف لائے ہیں" وغیرہ وغیرہ۔ میر صاحب نے اسی وقت فی البدیہہ یہ قطعہ لکھ کر اپنی غزل میں شامل کرلیا اور سنایا سے

کیا بود و باش پوچھے ہو، پورب کے ساکنو　　ہم کو غریب جان کے، ہنس ہنس پکار کے
دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب　　رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا　　ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

ان کا یہ کلام سن کر سب نے تعریف کی اور معذرت چاہی۔

صبح ہوتے ہوتے شہر میں خبر پہونچ گئی کہ دلّی سے میر صاحب تشریف لائے ہیں۔ ان کا کلام تو ان کے پہونچنے سے پہلے ہی لکھنؤ پہنچ چکا تھا۔ اور اہلِ ذوق نے اسے سرآنکھوں پر رکھا تھا۔ خود انھوں نے کہا تھا سے

کچھ نہیں ہم مثالِ عنقا لیک　　شہر شہر اشتہار ہے اپنا

لکھنؤ میں رفتہ رفتہ نواب آصف الدولہ کو خبر پہونچی۔ انھوں نے میر صاحب کی بہت عزت افزائی کی اور دو سو روپے ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا۔ میر صاحب نہایت نازک مزاج اور حساس واقع ہوئے تھے۔ ان کی خودداری اور تنک مزاجی، بد دماغی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ کسی کو نظر میں نہ لاتے اور اپنی بلند نظری اور رکھ رکھاؤ کی بدولت ہمیشہ تکلیفیں اٹھاتے۔ لکھنؤ آنے سے قبل شاہ عالم کے دربار میں ان کی بہت عزت تھی، بہت وقار تھا۔ مگر دلی کے ناسازگار حالات نے انھیں لکھنؤ جانے پر مجبور کیا۔ غالب نے کبھی کہا تھا — ہم نے مانا کہ دلّی میں رہیں کھائیں گے کیا! — اگرچہ کہ غالب نے دلی میں غم الفت کا قحط بتایا تھا یعنی سے

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسد　　ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں، کھائیں گے کیا

اور ان کا یہ اشارہ معاشی بحران کی طرف تھا۔ کیونکہ جہاں پیٹ بھر کھانا نہ ملے، وہاں عشق بازی کہاں!۔ جیسا کہ سعدیؒ نے بھی واقعتاً کہا تھا سے

چناں قحط سالے شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

میر صاحب کی تنک مزاجی سے متعلق ایک قصہ مشہور ہے کہ۔ جب وہ دہلی سے لکھنؤ چلے تو پوری گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو کر سواری میں بیٹھ گئے اور دلّی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دور آگے چل کر اس شخص نے کچھ بات کی تو یہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر بات کی تو میر صاحب نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا۔ ... آپ نے کرایہ دیا ہے گاڑی میں بیٹھے

www.taemeernews.com

مگر باتوں سے کیا تعلق؟" اس نے کہا "حضرت! کیا مضائقہ ہے، راہ کا شغل ہے، باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے اور سفر آسان لگتا ہے۔" میر صاحب نے بگڑ کر کہا۔ "جناب! آپ کا شغل ہے اور میری زبان خراب ہوتی ہے۔" جیسا کہ پہلے کہا گیا۔ لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کی سرپرستی حاصل ہونے کے بعد کبھی کبھی نواب کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ایک دن نواب نے ایک غزل کی فرمائش کی۔ دو روز بعد گئے تو پوچھا "میر صاحب ہماری غزل لائے؟" انھوں نے تیور بدل کر کہا۔ "جناب عالی! مضمون غلام کی جیب میں تو نہیں بھرے ہیں کہ کل آپ نے فرمائش کی اور آج میں حاضر کر دوں۔" نواب نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "خیر صاحب! جب طبیعت حاضر ہو کہہ دیجئے گا، کوئی بات نہیں۔" ایک دن نواب صاحب نے بلا بھیجا، پہونچے تو دیکھا نواب حوض کے کنارے کھڑے ہیں، ہاتھ میں چھڑی ہے۔ پانی میں تیرتی ہوئی سرخ و سبز مچھلیوں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ میر صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور غزل کی فرمائش کی۔ میر نے غزل سنانی شروع کی۔ نواب صاحب سنتے جاتے اور مچھلیوں کے ساتھ چھڑی سے کھیلتے بھی جاتے۔ میر صاحب برہم ہو کر ہر شعر پر ٹھہر جاتے، نواب کا تقاضا ہوتا "پڑھتے جائیے، پڑھتے جائیے" آخر چار شعر سنا کر میر صاحب کہہ اٹھے "آپ تو کھیل میں مشغول ہیں۔ متوجہ ہوں تو کہوں۔" نواب نے کہا "جو شعر ہوگا وہ اپنے آپ متوجہ کر لے گا۔" میر صاحب کو یہ بات سخت ناگوار گذری۔ غزل جیب میں ڈال کر گھر چلے گئے اور پھر جانا چھوڑ دیا۔

چند روز بعد بازار سے گذر رہے تھے کہ نواب صاحب کی سواری سامنے آگئی۔ نواب نے دیکھتے ہی سواری روک لی اور نہایت ادب و اخلاق سے پوچھا "میر صاحب! آپ نے تو ہمیں بالکل ہی بھلا دیا۔ کبھی تشریف نہیں لاتے۔" میر نے برہمی کے انداز میں جواب دیا "بازار میں بات کرنا شرفاء کے آداب کے خلاف ہے۔ یہ کون سا گفتگو کا موقع ہے۔" غرض اپنی خودداری، خود پسندی اور تنک مزاجی کے سبب ہمیشہ فقر و فاقہ میں بسر کرتے رہے۔ بقول مولانا آزاد "میر کے دل کی کلی اور تیوری کی گرہ کبھی کھلی نہیں" دلی میں میر صاحب نے ایک مثنوی لکھی جس کا نام "اژدر نامہ" رکھا۔ اس میں اپنے تئیں اژدہا قرار دیا اور ہم عصر شعراء میں سے کسی کو چوہا، کسی کو سانپ، کسی کو بچھو اور کسی کو کنکھجورا وغیرہ وغیرہ بتایا۔ اس کے ساتھ ایک حکایت بھی لکھی کہ دامن کوہ میں ایک اژدہا رہتا تھا۔ جنگل کے سب حشرات الارض جمع ہو کر اس سے لڑنے لگے۔ اژدہا نے ایک ایسی سانس کھینچی کہ سب فنا ہو گئے۔

لکھنؤ میں کسی نے پوچھا آج کل شاعر کون ہے؟ کہا "ایک تو سودا اور دوسرا یہ خاکسار" اور کچھ تامل کے بعد فرمایا "آدھے خواجہ میر درد ہیں"۔ پوچھا گیا۔ "اور سودا کون ہیں؟" بگڑ کر کہا "وہ بھی کوئی شاعر ہیں"۔

www.taemeernews.com

آصف الدولہ کے انتقال کے بعد جب نواب سعادت علی خاں رنگین کا زمانہ آیا تو میر صاحب دربار جانا چھوڑ چکے تھے۔ سعادت علی خاں نے ان کی خلعت کی بحالی کی اور ایک ہزار روپے بھجوائے۔ جب چوبدار رقم لے کر گیا تو میر صاحب نے واپس کر دی، یہ کہہ کر کہ "کسی مسجد میں بھجوائیے، بندہ اتنا محتاج نہیں۔" "ایک دس روپے کے نوکر کے ہاتھ خلعت بھیجی ہے۔ مجھے فقر و فاقہ گوارا ہے مگر یہ ذلت گوارا نہیں" آخر سید انشا کی لفاظی اور چاپلوسی کی بدولت یہ خلعت قبول کی۔ نواب سعادت علی خاں ان کی ایسی خاطر کرتے کہ اپنے سامنے بٹھاتے اور اپنا پیچواں (حقہ) پینے کے لئے دیتے۔

اب میر صاحب کی شاعری سے متعلق کچھ سماعت فرمائیے۔ میر صاحب کا کلام نہایت صاف، سادہ زبان شستہ و شائستہ۔ بیان پاکیزہ اور دل نشیں ہوتا۔ زبان میں خدا نے ایسی تاثیر دی تھی کہ سیدھی سادی باتیں بھی ایک مضمون بن جاتیں۔ میر صاحب کی زندگی ناکامی اور نامرادی میں گذری اس لئے کلام میں سوز و گداز بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ انھیں "یاسیات کا امام" کہا جاتا ہے اور "غزل گوئی کا بادشاہ"۔

مشہور ہے کہ "عشق و مشک رانتواں نہفتن" یعنی عشق و مشک کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ عاشق کی زبوں حالی سے دنیا واقف ہوتی ہے۔ چاروں طرف اس کے عشق کے چرچے ہوتے ہیں مگر تعجب ہے کہ معشوق کو اس کی خبر نہیں ہوتی!

آہ شوخ چشم ہیں کہ مرا خواب بر نہ کرد ماہی دو رخ روشن نہ خفت از نعف اناس من

میر صاحب نے اس خیال کو استعارہ کے پیرایہ میں نہایت خوبی سے ادا کیا ہے ؎

پتا پتا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

غالب کو اپنے گریۂ پیہم سے اندیشہ تھا کہ بستیوں کی بستیاں ویران ہو جائیں گی۔ میر کی چشم پُرآب ان کے خانۂ دل کی خرابی کا باعث بنی ہیں ؎

یہ جو چشم پُرآب ہیں دونوں ایک خانہ خراب ہیں دونوں

(ایک اور دونوں کے الفاظ پُرلطف ہیں)

یہ پوری غزل تشبیہات سے بھری پڑی ہے۔ میر کی اس مشہور غزل کا سوز و گداز ناقابل بیان ہے ؎

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

یہ غزل! اس پیرہندی حسن کی آواز! ستم بالائے ستم! مدینۂ منورہ سے وداعی کے وقت اس غزل کا ایک خاص شعر یاد ... وا میں پہنچا ... یہ رہا۔ اس محفل میں جزیں صاحب خود تھا، اس شعر پر توجہ فرمائیں ... حق دار

www.taemeernews.com

دردِ مفارقت ابھی تازہ تازہ ہے ؎

یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم　　جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے

عشق کی کارفرمائیاں، عاشق کے لئے ایک بلائے جان ہوتی ہیں۔ ایک لمحہ، ایک پل قرار نہیں ملتا۔ جس کے لئے میرؔ نے کہا ہے۔ ؎

مختصر حالِ چشم و دل یہ ہے　　اِس کو آرام، اُس کو خواب نہیں

(اس میں صنعتِ لف و نشر غیر مرتب ہے)

کسی نے عشق کی مختصر تعریف اس طرح کی ہے ؎

بہ عالم ہر کجا درد و غمے بود　　ہم کردند و نامش عشق کردند

میرؔ کے نزدیک "عشق ایک بھاری پتھر ہے" جو اُن سے اُٹھ نہیں سکتا ناتوانی کے سبب۔ دنیا میں یوں تو کئی مذاہب ہیں مگر ان سب مذاہب کی روح عشق ہے، پیار و محبت ہے، انسانیت ہے، گویا مذہبِ عشق ہی اصل مذہب ہے، سب سے بڑا مذہب ہے۔ مگر یہ مذہب انسان سے ایثار و قربانی چاہتا ہے۔ محبوب کے آگے تسلیم و رضا اختیار کرنی پڑتی ہے۔ میرؔ ایک تیکھے انداز میں عشق سے اپنا خاص لگاؤ ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

سخت کافر تھا جس نے پہلے میرؔ　　مذہبِ عشق اختیار کیا

امیر خسروؒ نے تو علی الاعلان کہہ دیا ہے ؎

کافرِ عشقم، مسلمانی، مرا درکار نیست　　ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

ایک جگہ میرؔ صاحب کہتے ہیں ؎

میرؔ کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو ان نے تو　　قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترکِ اسلام کیا

شاعرانہ تعلّیاں، فن شاعری میں جائز قرار دی گئی ہیں۔ غالبؔ نے کس حکمت و ہوشیاری سے اپنی ہنرمندی و دانائی کا اظہار کیا ہے ؎

ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے　　بے سبب ہوا غالبؔ، دشمن آسماں اپنا

میرؔ صاحب کی خودستائی کا انداز کچھ اور ہے ؎

برسوں لگی رہی ہیں جب مہر و مہ پہ آنکھیں　　تب ہم سا کوئی صاحب! صاحب نظر بنے ہے

علامہ اقبالؔ کے "دیدہ ور" کی بجائے میرؔ صاحب نے لفظ "انسان" استعمال کیا ہے۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں　　تب خاک کے پردہ سے انسان نکلتے ہیں

www.taemeernews.com

قرآن مجید کی آیت ہے :۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔۔۔۔ اَلْاٰیَۃ

(ہم نے (دنیا بنانے کے بعد) اپنے احکام پر عمل آوری کا کام جو بمنزلۂ امانت ہے۔ آسمان، زمین اور پہاڑوں کے آگے پیش کیا۔ انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم ہے، جاہل ہے")

اس خیال کو حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی نے اپنی ایک رباعی میں نہایت دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے ؎

اس سینہ میں کائنات رکھ لی میں نے
کیا ذکرِ صفات، ذات رکھ لی میں نے
ظالم سہی، جاہل سہی، نادان سہی
سب کچھ سہی، تری بات رکھ لی میں نے

(آخری مصرعہ تو تعریف سے بالاتر ہے)

حافظ شیرازیؒ کہتے ہیں ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

نیر صاحب (صلاح الدین) کا انداز سب سے تیکھا اور دلکش ہے ؎

ہر اک ذرّہ بارِ امانت سے ڈر گیا
اک میں ہی تھا کہ تیرے مقابل ٹھہر گیا

(اس میں کائنات کی ہر چیز پر "انسان" کی فوقیت و برتری بھی ثابت ہوتی ہے)

اب میرؔ کی بلاغت ملاحظہ کیجئے جس میں "خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا" کی تفسیر بھی مضمر ہے۔ کہتے ہیں ؎

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

جوانی میں آدمی غافل اور خود فراموش ہوتا ہے۔ ایک طوفانِ بے پناہ میں بہا چلا جاتا ہے۔ میرؔ نے اس کا اچھا نقشہ کھینچا ہے ؎

عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا

(اس میں جوانی کو "رات" سے اور پیری کو "صبح" سے نہایت بلیغ تشبیہ دی ہے)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اس پر چند ذمہ داریاں بھی عائد کر دیں۔ اس حیثیت سے وہ مختارِ کُل ہے نہ مجبورِ محض۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا، آدمی کتنا مختار ہے اور کتنا مجبور؟ آپ نے فرمایا "تم اپنا ایک پاؤں اٹھاؤ" اس نے آسانی سے اٹھا لیا۔ پھر فرمایا "اب دوسرا پاؤں اٹھاؤ"۔

www.taemeernews.com

اس نے کہا "نہیں اٹھا سکتا"۔

فرمایا "مختاری اور مجبوری کی بس ایسی ہی مثال ہے"

حافظؒ کہتے ہیں۔ ؎

نیکی زشست از تو نخواہم مزد کار
ور خود بدیم کار تو ایم انتقام چیست

انسان کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ۔ اس لئے میر کا کہنا ہے ؎

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
جو چاہیں سو آپ کرے ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا

میر کے کلام سے صرف چند اشعار لئے گئے ہیں، مشتے نمونہ از خروارے۔ ان کی تصانیف بہت ہیں۔ میر نے ۱۸۱۰ء میں انتقال کیا۔ چھ اردو دیوان، ایک فارسی دیوان۔ ذکرِ میر، نکات الشعراء اور فیضِ میر۔ اپنے دیوان کے بارے میں میر نے کہا ہے ؎

ہم کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب ہم نے
درد و غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

جیسا کہ مقولہ ہے کَلَامُ الْمُلُوْکِ مُلُوْکُ الْکَلَامِ۔ اسی طرح "کلامِ میر" کو "میر کلام" کہا جاسکتا ہے جس کلام کی غالب جیسے بلند پایہ، اردو کے نامور شاعر نے تعریف کی ہے اور میر کو استاد تسلیم کیا ہے۔ اس کا کیا کہنا! ؎

ریختی کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

ذوق نے بھی میر کی غزل گوئی کو پسند کیا ہے۔ کہتے ہیں ؎

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

اس میں درپردہ غالب پر چوٹ ہے۔ ذوق اور غالب کی نہ صرف نوک جھونک بلکہ چشمک چلی آتی تھی دونوں ایک ہی دربار سے وابستہ تھے، یعنی دونوں میں "ما و تو ہر دو خواجہ تاشانیم" کا رشتہ تھا۔ امیر مینائی کا میر سے متعلق یہ خیال تھا ؎

سودا و میر دونوں ہیں کامل مگر امیر
ہے فرق واہ واہ میں اور آہ آہ میں

میر کی آہ آہ سے جو افسردگی پیدا ہوئی ہے۔ اب ذرا راجہ مہدی علی خاں کی پیروڈی سُن کر مسکرائیے۔

میر کے تکیوں پر لکھے ہوئے اشعار ؎

سرہانے میر کے آہستہ نا بولو
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

www.taemeernews.com

مر گئے کیا میر صاحب ناگہاں — رات کو سینے بہت کوٹے گئے
درد دل بیچتے ہیں گلیوں میں — اب یہی کاروبار ہے اپنا
آئی جب ان کی یاد تو گھبرا کے رو دیئے — اک شب میں ہم نے کتنے ہی تکئے بھگو دیئے

:- والدۂ میر ' ننھے میر کے سرہانے :-

بوا چاول نہ اس کمرہ میں تولو — نہ چابی کے لئے تکیہ ٹٹولو
بڑی سردی ہے دروازہ نہ کھولو — سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے
یہ تڑپے دن کو اور راتوں کو جاگے — ابھی سے لڑکیوں کے پیچھے بھاگے
بٹے راتوں کو یہ آنکھوں کے دھاگے — ہے مجنوں طفل مکتب اس کے آگے
کسی لیلیٰ پہ یہ عاشق ہو گیا ہے
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

نیک تمناؤں کے ساتھ

منجانب

ایانکو ریفریجریشن کمپنی

سوریودیا کامپلکس ۔ شاپ نمبر ۔ ۳ ، مہاتما گاندھی روڈ ۔ 61/A

سکندرآباد ۔ 500003 ۔

www.taemeernews.com

سعیدہ سلطانہ سہبا

سماج کا بندھن

چند فرسودہ اصولوں اور ریت رواجوں پر قائم کیا گیا سماج انسان کو دیمک کی طرح چاٹ جانے والا اور تپ دق کی طرح کھوکلہ کر دینے والا وہ ناسور ہے جس نے کئی گھر اور کئی زندگیاں برباد کی ہیں۔ کتنی عورتیں کنوئیں میں چھلانگ لگانے پر مجبور ہو گئیں کتنی عورتوں نے گلے میں پھندا ڈال لیا۔ کیوں کہ مرد کا گھر چھوڑی ہوئی عورت کو سماج کبھی معاف نہیں کرتا۔ عورت کا خلع لینا آج بھی معیوب سمجھا جاتا ہے اور طلاق شدہ عورت سماج پر ایک بدنما داغ ہے۔ کون ایسی عورت کا ہاتھ تھامے گا۔ کون ایسی عورت کو اپنائے گا ــــــ کیا دیا ہے اس سماج نے ہمیں۔ آزادی کے اس دور میں بھی ہم جس کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ اصول یہ قاعدے یہ قانون کس کے بنائے ہوئے ہیں۔ کیوں آخر ہم اس سے اس قدر خوفزدہ ہیں۔ کیوں خود کو ہم اس جال میں جکڑا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ جو خود ہمارا اپنا بنایا ہوا ہے۔ کب تک ہم اس لکیر کے فقیر بنے رہیں گے۔ آخر کب تک۔

کب تک اپنی جھوٹی انا کی خاطر بیٹی کو واپس اسی آگ میں جھونک دیا جائیگا جہاں سے وہ لوٹ آئی ہے۔ کیا محض اس لئے کہ جہاں اک بار ڈولی گئی وہیں سے ڈولا بھی اٹھے۔ یا پھر جس کھونٹے سے باندھ دیا اسی سے بندھی رہے۔ اور اسے وہیں ڈھکیل دیا جاتا ہے جہاں اک چتا اسکا انتظار کر رہی ہے۔

○

www.taemeernews.com

تاج سلطانہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

آپکے والد کا نام عبداللہؓ کنیت ابوبکر اور صدیق لقب تھا۔ ماں کا نام اُمِّ رُومان تھا۔ حضرت ام رومان کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کے نکاح میں آئیں۔ وائل کی بیوی نے آپکو دودھ پلایا تھا۔ بچپن میں آپ کھیل کود کی بہت شوقین تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم کے مشورہ پر حضور نے ہجرت سے تین سال قبل حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا۔ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر چھ سال کی تھی۔ سنہ ۱ھ میں نو برس کی عمر میں آپکی رخصتی ہوئی جب انصاریہ عورتیں دلہن کو لینے انکے گھر آئیں تو وہ سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں ماں نے منہ دھلا کر بال سنوار دیے۔ حضرت عائشہؓ نے تاریخ و ادب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ دینی اور اخلاقی تعلیم حضورؐ سے حاصل کیں۔ حضرت عائشہؓ ۱۸ سال کی عمر میں ۱۱ ربیع الاول کو بیوہ ہوئیں۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک دفعہ حضور سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ دنیا میں کسکو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ عائشہؓ کو۔ آپ ایک ہی برتن میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے آپ وہی ہڈی چوستے جسکو حضرت عائشہؓ چوستی تھیں۔ ایک غزوہ میں حضرت عائشہؓ حضور کے ساتھ تھیں چلتے وقت اپنی بہن اسما سے ایک سونے کا ہار مانگ لیا تھا۔ جب ایک جگہ قافلہ نے پڑاؤ کیا تو حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کیلئے قافلہ سے دور نکل گئیں۔ حضرت عائشہؓ جب واپس آئیں اور گلے کو ٹٹولا تو ہار نہ تھا گھبرا کر پھر اپنی جگہ جاکر ہار ڈھونڈنے لگیں۔ ہار تو مل گیا لیکن آنے تک قافلہ روانہ ہو چکا تھا ایک صحابی صفوانؓ گری پڑی چیزوں کے اٹھانے کے لیے فوج کے پیچھے رہتے تھے۔ کچھ دیر بعد جب وہ پڑاؤ پر آئے تو حضرت عائشہؓ نظر آئیں۔ صفوانؓ نے اپنے اونٹ پر آپکو سوار کراکر اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے قافلہ میں پہونچ گئے جو اگلی منزل پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی نے اس موقع کو غنیمت جان کر یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ حضرت عائشہؓ اب پاک دامن نہ رہیں۔ حضرت عائشہؓ یہ بات سنی تو زیادہ صدمے سے بیمار ہو گئیں۔ اس موقع پر آپکی

www.taemeernews.com

والدہ اُم رومان نے اپنی بیٹی کو اس طرح سمجھایا کہ بیٹی جو بیوی شوہر کی چہیتی ہوتی ہے اسکو اس قسم کے صدمے اُٹھانے ہی پڑتے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ کا رنج وغم کم نہ ہوتا تھا اسی دوران ایک دن حضور تشریف لاکر یوں مخاطب ہوئے کہ اگر تم مجرم ہو تو توبہ کرو خدا قبول کریگا ورنہ خدا خود تمہاری طہارت اور پاکی کی گواہی دے گا آپ یہ فرما رہے تھے کہ آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور آپ نے وہ آیتیں تلاوت فرمائیں جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی ظاہر کردی۔ حضور کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

ایک دفعہ ازواج مطہرات نے حضور سے اضافہ مصارف کی خواہش کی جس پر تخییر کی آیت نازل ہوئی یعنی جو بیوی آپکے ساتھ رہنا چاہتی ہو اسکو فقر و فاقہ برداشت کرنا پڑیگا اور جو دنیوی راحت کی خواہشمند ہو وہ آپ سے کنارہ کش ہوجائے۔ حضورؐ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کو تخییر کی آیات پڑھ کر سنائیں اور حضرت عائشہؓ کا فیصلہ سننا چاہا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا میں خدا اور اسکے رسول کو اختیار کرتی ہوں صفر ۱۱ھ کی کوئی تاریخ تھی کہ آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ درد سر سے بیقرار تھیں حضور نے فرمایا اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز و تکفین کرتا اور تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتا۔ حضرت عائشہؓ نے مجوبانہ انداز سے جواب دیا "یا رسول اللہ اگر ایسا ہوجائے تو آپ اسی حجرے میں نئی بیوی لاکر رکھیں" آنحضرت صلعم نے یہ سنکر تبسم فرمایا۔ اسکے بعد حضور حضرت میمونہ کے گھر جاکر بیمار ہوگئے۔ جب مرض بڑھنے لگا تو ازواج مطہرات نے آپکا منشا سمجھ کر آپکو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں قیام کی اجازت دے دی آپ اپنی وفات تک اسی حجرے میں رہے۔ ایک دن جب آپ نے مسجد جانے کیلئے اٹھنے کی کوشش کی تو آپکو غش آگیا۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ امامت کریں۔ ایک روز آپکا ہاتھ حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں تھا کہ دفعتہً آپ نے دست مبارک کھینچ لیا اور فرمایا "اللھم رفیق الاعلیٰ" حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکو بڑی تکلیف ہے۔ فرمایا ثواب بھی تو بقدر تکلیف ہے اتنے میں حضرت عائشہؓ کو آپکے بدن کا بوجھ محسوس ہوا۔ آنکھوں کی طرف دیکھا تو پھٹ گئی تھیں آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھا اور رونے لگیں۔ نعش مبارک اسی حجرے میں ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امیر معاویہ کی خلافت کے آخیر زمانہ میں بعمر ۶۳ سال آپکا انتقال ۵۸ھ میں ماہ رمضان میں ہوا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

فضائل : آپ سنجیدہ، فیاض اور عبادت گزار تھیں۔ عام مسلمان آپکو اپنی ماں کی طرح مانتے تھے خدائے تعالیٰ نے ازواج مطہرات کیلئے دوسری شادی ممنوع کردی تھی۔ وہ سب مسلمانوں کی مائیں تھیں۔ جنکا فرض

www.taemeernews.com

اپنے بیٹوں کی تعلیم و تربیت تھا۔ پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ چاشت کی نماز پابندی سے پڑھتی تھیں۔ رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتیں اور ہر سال پابندی سے فریضہ حج ادا کرتی تھیں۔ کیونکہ ایک دفعہ حضور سے سنا تھا کہ مسلمان عورت کا جہاد اسکا حج ہے۔ آپ اکثر روزے رکھتی تھیں۔ بیحد فیاض تھیں ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم بھیجا۔ شام ہونے تک سب محتاجوں کو دے دیا۔ ایک حبہ بھی اپنے پاس نہ بچایا۔ جہاں کوئی خلاف شرع بات دیکھتیں فوراً روک دیتیں۔ ایک دفعہ آپکی بھتیجی صفیہ بنت عبدالرحمٰن نے بہت باریک دوپٹہ پہنا تھا۔ آپ نے غصہ سے انکا دوپٹہ چاک کر دیا اور دوسرا دوپٹہ منگوا کر اڑھایا۔ ایک دفعہ آپکے بھائی عبدالرحمٰن جھٹ پٹ وضو کر کے چلے آپ نے فوراً انہیں کہا۔ عبدالرحمٰن اچھی طرح وضو کرو کیونکہ میں نے حضور کو کہتے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگیں گے اس پر جہنم کی پھٹکار ہے۔

ایک دفعہ عید کی خوشی میں حبشی پہلوان کے کرتب دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضہ یہ تماشا دیکھنا چاہا۔ حضور اس وقت تک انکے سامنے آڑ سے کھڑے رہے جب تک کہ وہ خود تھک کر پیچھے نہ ہٹ گئیں۔ اگرچہ حضور آپکو بہت محبوب رکھتے تھے لیکن کبھی آپ کوئی غلطی فطرت انسانی کے لحاظ سے کرتیں تو حضورؐ فوراً ٹوک دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضہ نے اپنی سوکن حضرت صفیہ رضہ کے بارے میں یہہ کہا کہ وہ پست قامت ہیں تو حضورؐ نے اسی وقت آپکو ٹوک دیا اور فرمایا کہ عائشہ رضہ تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر کے پانی میں ملادی جائے تو سارے پانی کو کڑوا کر دے۔ حضرت عائشہ رضہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہہ بات تو صحیح ہے اس پر حضور نے فرمایا اگر مجھے کوئی اتنا مال بھی دے تو میں کبھی ایسی بات نہ کہوں گا۔ حضرت عائشہ رضہ حضورؐ کے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتیں آپکے بالوں میں کنگھی کرتیں آپکے کپڑوں میں خوشبو لگاتیں اور آپکے لیے اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتیں۔

حضرت عائشہ رضہ نہ صرف حسین تھیں بلکہ اجتہاد فکر اور فہم میں سب سے ممتاز تھیں اسلیے حضورؐ کو ممتاز تھیں۔ کئی موقعوں پر آپنے صحابہ رضہ کی رائے کی تصحیح کی اور کسی حکم کی صحیح وجہ بیان فرمائی۔ مثلاً آپنے یہہ فرمایا کہ انتقال سے کچھ دیر قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو وہ اپنے پیشواؤں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے۔ حضرت عائشہ رضہ نے کہا کہ اسی وجہ سے حضورؐ کو حجرہ میں دفن کیا گیا۔ اگر آپ کو کسی کھلے میدان میں دفن کیا جاتا تو لوگ آپکی قبر کو بھی عبادت گاہ بنا لیتے۔ آپ نے یہہ بھی فتویٰ دیا کہ اگر کوئی مرد مجبوری اور جبر کی وجہ سے اپنی عورت کو طلاق دے دے تو وہ طلاق نہ ہوگی۔ اس طرح کئی مسائل میں آپ نے اپنی عقل و فہم سے ایسے فیصلے کئے کہ صحابہؓ آپکے کمال علم کا معترف تھے۔

---

www.taemeernews.com

نفیس ظفر

ایک نظر ادھر بھی

ہم صدیوں سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ ساس اور نندیں بہو اور بھاوج کو تنگ کرتی ہیں۔ لیکن آجکل بہت سے گھرانوں میں اُلٹا ہی ہو رہا ہے۔ لڑکی کی شادی پر روتے تھے موجودہ زمانے میں لڑکے کی شادی پر رونا پڑ رہا ہے۔ آجکل بہو سے ساس اور نندیں ڈرا کرتی ہیں ــــ وجہ ہر کام اپنی مرضی سے ہوتا ہے بہو کا منشا رہتا ہے اور شوہر کو اپنی مٹھی میں رکھنے کیلئے بہت سے حربے استعمال کر رہی ہیں۔ انکی مرضی پر نہ چلیں تو ہنگامہ برپا کرتی ہیں اور پولیس کا ڈر بتایا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر گھرانوں میں ہنگامہ بھی کیا جاتا ہے لیکن بعض گھرانوں میں بہت پیار سے رکھنے کے باوجود بھی بہوئیں سر پر سوار رہتی ہیں۔ اسلیے میری گذارش ہیکہ اگر کوئی بہو یا انکے رشتہ دار شوہر اور ساس نندوں کی پولیس میں شکایت کریں تو اچھی انکوائری کریں پھر جو قصوروار ہوں انکو سزا کا مستحق ٹہرائیں۔ اگر بہو کی طرف سے جھوٹی شکایت ہو تو اُن لوگوں کو بھی کڑی سزا دیں تاکہ پھر کوئی لڑکی ایسی جھوٹی شکایت پولیس میں درج نہ کرسکے۔ اگر سسرال والوں کا قصور ہو تو انکو بھی نہ چھوڑیں کیونکہ زمانے سے ظلم عورتوں پر ہو رہا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لڑکیاں سنتی آرہی ہوں۔ ہماری مائیں اور بہنیں سسرال میں بہت تکلیف دہ زندگی گذارتی آئی ہیں اُس ردّ عمل کے طور پر آجکل لڑکیاں یہ حربہ استعمال کر رہی ہیں۔ اسلئے ساس اور نندیں بہو کو اپنی بیٹی کی طرح رکھیں اور بہو کا فرض ہیکہ ساس کو اپنی ماں کی طرح پیار دے اور نند و دیور کو بھائی بہن کی طرح سمجھے پھر کوئی وجہ نہیں جو بات بات پر گھر میں جھگڑا کھڑا ہو اور طلاق تک نوبت آجائے۔

☆

www.taemeernews.com

فاطمہ عالم علی خان

ہندوستانی سماج اور خواتین

مختلف افراد اور گروہ کے مل جل کر زندگی گذارنے کا جو طریقہ شعوری یا غیر شعوری طور پر رائج ہوتا رہا ہے اسکو سماج کا نام دیا گیا۔ پتھر کے دور سے پہلے جنگلوں اور غاروں میں زندگی بسر کرنے والے انسان بھی اپنے تحفظ اور بقا کے لیے گروہ کی شکل میں آباد تھے۔ جیسے جیسے شعور بیدار ہوتا گیا اور انسان پتھروں، جنگلوں اور غاروں سے نکل کر دیہات کے دور میں داخل ہوا تو قبائلی نظام بھی آہستہ آہستہ بستیاں بسانے کی وجہ سے زرعی اور دیہی نظام کی طرف مائل ہوا اور غالباً انہیں بستیوں میں سے کچھ نے تجارتی منڈیوں کا روپ دھارا ہوگا۔ شہر آباد ہوئے ہونگے اور انسان گویا غیر محسوس طریقے سے مدنی یا شہری نظام لایا ہوگا۔ ظاہر کہ یہ سب چند برسوں یا ایک اور دو صدی میں نہیں ہوا بلکہ اسکے لئے کئی صدیاں لگ گئی ہونگی۔

ہندوستانی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری تہذیب بھی یونان و مصر کی طرح بہت قدیم ہے اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں اس بات کو ایک شعر میں ادا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

یونان و مصر و روماں سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

گویا اب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں دو ایشیائی ملک باقی رہ گئے ہیں ایک "چین" اور دوسرا ہندوستان۔ ہندوستان کے تہذیبی اور سماجی سفر میں رکاوٹیں بھی آئیں اور جمود کی کیفیت بھی گذری مگر زندگی کا دھارا بہرحال منقطع نہیں ہوا۔ اسی لئے ہم بہت پرانے بھی ہیں اور بہت نئے بھی اتنے نئے کہ خلاؤں میں قدم جما دیئے۔ ہمارے سماج میں قدیم و جدید کی تمام خوبیاں اور خرابیاں اسطرح گتھی ہوئی ہیں جیسے کپڑے کی بافت۔

ہندوستان کی تاریخ میں کئی نسلوں، زبانوں، تہذیبوں اور مذاہب کی آمیزش ہوتی رہی ہے۔ جس نے کبھی فائدہ پہونچایا اور کبھی نقصان اسی لئے آج تک سماجی تانے بانے میں ہندوستانی سماج اپنی وضع میں منفرد مقام کا حامل ہے۔ جس میں کئی رنگ اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک مجموعی رنگ میں موجود ہیں۔

www.taemeernews.com

اسی سماج میں افراد اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ ناکامیوں حسرتوں اور محرومیوں سے نبرد آزما رہتے ہیں۔ حقوق کے لیے لڑتے ہیں کبھی جیت ہوتی ہے کبھی مات کھاجاتے ہیں اپنی زندگی جیتے اور مرتے ہیں جس میں مرد۔ عورت بوڑھے اور بچے سب ہی شامل ہیں۔ اور جب سماجی نظام میں جھول پڑ جائے تو ایک صالح نظام کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ ہمارا سماجی نظام اسی آویزش اور آمیزش، ضابطوں اور رابطوں سے قائم ہے۔

ہندوستان ایک مشرقی ملک ہے یہاں کنبوں کے بغیر سماج کا تصور ناممکن ہے اور عورت کے بغیر کنبہ اپنی اہمیت کھو دیتا ہے عورت اور سماج کا چولی دامن کا ساتھ ہے (دنیا بھر میں خاندانی نظام کی منصوبہ بندی جتنی دلکش اور بہتر طریقے سے ہندوستان میں ہوئی ہے کہیں اور اسکی نظیر نہیں ملتی) مگر افسوس کہ کبھی کبھی بلکہ اکثر مردوں کے ہوس اقتدار اور خود غرضی نے عورت کو طرح طرح کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کی ہے۔ ہندوستانی عورت آپکو ہر حیثیت اور روپ میں جلوہ گر نظر آئیگی وہ مالکن بھی ہے اور داسی بھی، وہ معلمہ بھی ہے اور دفتر میں اہلکار بھی۔ پردہ فلم پر اگر ہیروئن ہے تو جہیز کی خاطر جلائی جانے والی بہو بھی اور بہو کے ہاتھوں ستائی ہوئی معذور ضعیف ساس بھی۔

یہ کہیں گھونگٹ کی اوٹ سے کھیتوں کی رکھوالی کرتی نظر آتی ہے تو کہیں اشتہار کے لئے برائے نام لباس والی ماڈل لڑکی نئے فیشن کی مسٹرس بھی اور کوٹھوں میں بیٹھنے والی بھی۔!! اسی کے ساتھ ساتھ سماجی اصلاحی تحریکوں کی رہنما بھی عورت ہی ہے۔ اسکا ہر روپ اپنی جگہ مکمل بھی ہے اور نامکمل بھی اسکی زندگی ایک داستان بھی ہے اور اک کہانی بھی۔ اور کبھی کبھی یہ وہ نہیں ہوتی جیسی نظر آتی ہے بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ جب یہ ہنسنا چاہتی ہے اسکو رلایا جاتا ہے اور جب رونا چاہے تو ہنسنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔ اسکی اپنی ارزوئیں تمنائیں کیا ہیں کسی نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کاش کوئی گھر گھر جاکر اسے کھوجے اور اسپر قلم اٹھائے۔!

یوں تو آج قانون میں عورت کو شہری حقوق حاصل ہیں جائیداد میں حصہ، جہیز، نکاح، طلاق اور بیوہ کے معاملات اسکے حقوق کی حفاظت کی گئی کمسنی کی شادیوں پر پابندی عائد ہے بیوہ اور مطلقہ کو دوسری شادی کا اختیار سونپا گیا ہے حتیٰ کے کوٹھے والیوں کے مسائل بھی زیر غور ہیں سرکاری اور نیم سرکاری اور غیر سرکاری کئی طریقوں سے عورت کی حالت سدھارنے اور اسکے حقوق کی حفاظت کی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن ہماری روزمرہ کی زندگی میں یہ قوانین اسوقت تک بہتری پیدا نہیں کرسکتے جب تک خود عورتیں اپنے حقوق سے آگاہ نہ ہوں اور سماج کا ذہنی رویہ ایسا نہ بن جائے کہ وہ قوانین کو عملی حیثیت دینے پر راضی ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ ذہنی رویہ

www.taemeernews.com

بدلنا اسوقت تک دشوار رہیگا جب تک مرد کی سوچ نہ بدلے۔

کاغذ پر بھلے ہی خواتین کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہو لیکن عملی طور پر تو معاملہ صفر ہے !! آج بھی لڑکیاں جہیز کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں۔ دیہاتوں میں آج بھی کمسنی کی شادیاں عام ہیں۔ ستر برس کا بوڑھا آج بھی پیسے کے بل بوتے پر ۱۴ برس کی لڑکی سے شادی کرنے میں نہیں شرماتا۔ جہیز کے نام پر لاکھوں کا لین دین کاروبار بن گیا ہے جوان بیوہ یا مطلقہ کو داشتہ بنانے کو تو تیار ہوتے ہیں لیکن بیوی کی حیثیت دینے میں ناک کٹ جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ لعنت ہے ایسے سماج پر !! وہ سماج جسمیں مرد اور عورت خود مختار اور منفرد حیثیت رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے مونس و غمگسار تھے مرد مالک نہیں محافظ تھا سچا دوست اور چاہنے والا ہمسفر تھا آخر سہاں کھو گیا ۔؟

انسان بنیادی طور پر سماجی حیوان ہے اور ایک صحت مند سماج افراد کے تحفظ کا ضامن ہوتا ہے لیکن یہی سماج جب خود غرض، تنگ نظر اور موقعہ پرست افراد کے ہاتھ میں آجاتا ہے تو زندگی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور عورت بری طرح اسکی زد میں آجاتی ہے۔

کبھی اخلاق، کبھی مذہب اور کبھی روایات کا نام لیکر دہائیاں دی جاتی ہیں۔ حالانکہ کسی مذہب میں عورت پر ظلم و زیادتی اور اسکے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے اگر عورت بگڑ رہی ہے شکنجے اور کس دئے جائیں۔ جو اسطرح سوچتے ہیں وہ اپنی جہالت کی تشہیر کرتے ہیں ۔!

وہ سماج جو ہمارے تحفظ کا ضامن تھا آج ہمارے سروں پر بھوت بنکر منڈلا رہا ہے۔ کبھی خاندان کی عزت کا واسطہ دیکر اور کبھی سماج کی انگلیوں کے اٹھنے کا ڈر جتا کر عورت کی صلاحیتوں کو پامال کیا جا رہا ہے اسکی ہر حرکت پر اسقدر پہرے بٹھائے گئے کہ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ ہی وہ اپنے حقوق سے مستفید ہوسکتی ہے اور نہ ہی یکسوی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکتی ہے انجام کار گھر کے ماحول میں گھٹن پیدا ہو جاتی ہے جسکا راست اثر بچوں پر پڑتا ہے جو اس گھٹن سے نکلنے کیلئے گھر سے باہر سامان سکون تلاش کرنے لگتے ہیں جو اکثر غلط راستوں پر ڈال دیتی ہے۔

اسطرح پوری نسل تباہی کے کنارے پہونچ جاتی ہے۔

ہر طبقے کے مسائل جدا ہوتے ہیں۔ اونچا طبقہ یا ہائی سوسائٹی اپنے مسائل خود ہی طے کر لیتا ہے۔ انکی دنیا متوسط طبقے سے بہت مختلف دنیا ہے ۔!!

دیہاتی عورت کے مسائل کچھ اور ہیں شہری عورت کے کچھ اور ۔! دیہات اور نچلے طبقہ کی عورت تعلیم سے محروم غربت اور مفلسی کا شکار ہے اکثر و بیشتر کمسنی کی شادیوں اور توہمات نے اسکو جانور سے بھی بدتر بنا دیا ہے غذا کی کمی اور ظلم و زیادتی اسکا مقدر بن گئی ہے۔

(سلسلہ ص۸۲ پر)

www.taemeernews.com

فریدہ زین ایم اے

تلاش میں ہے سحر ----

" اندھیرے میں کیوں کھڑی ہو بتی تو جلا دو" بوا نے کمرے میں پھیلے ہوئے اندھیرے کو دیکھ کر کہا۔
" دل کے اندھیرے بتی جلانے سے دور نہیں ہوتے بوا۔" ندا کے لہجے میں صدیوں کا دکھ سمٹ آیا۔ ایک ٹھنڈی سانس بوا کے لبوں سے نکل گئی۔ اور تبھی شکیب اندر داخل ہوا۔

" ہیلو ندا کیسی ہو ----

" ٹھیک ہوں۔ اب آئے " ندا نے سوال کیا۔

" میں گیا ہی کہاں تھا جو آؤں کاش تم نے مڑ کر کبھی دیکھا ہوتا۔ شکیب کا لہجہ اداس تھا۔

" شکیب ایک بات بتاؤ۔ تمہاری اس جستجو کا حل کیا ہے" اس نے پوچھا۔ " تمہارے چہرے پر آنے والے کل کے سورج کی کرنیں تلاش کرنا"

" خوب۔ اماوس کی رات سے چاندنی مانگتے ہو۔ یاد رکھو ڈھلتی شام' ڈولتی ناؤ۔ شاخ سے ٹوٹا ہوا پتہ۔ آخری پہر کا زرد چاند اور دار کا ملزم جھوٹی تسلیوں سے زندگی نہیں پاتے" ندا نے کہا۔

" لیکن پھر بھی امید وقت کا سب سے بڑا سہارا ہے" شکیب کے لہجے میں عزم کی جھلک تھی۔

" میں امید و ناامیدی' یاس اور آس کے دور سے گذر چکی ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہیں چاہیئے" ندا کا لہجہ تلخ تھا۔

" مگر مجھے چاہیئے۔ میں نے پہلے بھی یہی کہا تھا آج بھی کہتا ہوں اور کل بھی کہونگا" شکیب اٹھ کھڑا ہوا شکیب کے جانے کے بعد بوا چلی آئی۔ " بیٹا کب تک اس غریب کا امتحان لوگی اسکے انتظار کے راستے میں کیوں کانٹے بچھا رہی ہو"

" نہیں بوا۔ اب میری زندگی کیا ہے۔ چند ٹوٹی پھوٹی سانسیں اور بس ---- میں کسی کو سکھ

www.taemeernews.com

نہ دے سکی۔ معصوم بچپن میں ماں کا سہارا کھو گیا۔ ہوش سنبھالا تو بابا کے لیے مصیبت بن گئی۔ کتنی آس کتنی امنگوں اور کتنے آرزوؤں کے گھروندے سجائے تھے میں نے۔ کتنی چاہت کتنے ارمانوں سے ڈولی میں بٹھایا تھا انہوں نے۔ اپنی محبت عزت اور خاندانی وقار کا واسطہ دے کر فرحان کو میرا شریک سفر بنا دیا۔ شکیب لٹے ہوئے مسافر کی طرح بابا سا انکار سن کر لوٹ گیا۔ میرا وجود شہر خموشاں بن گیا جس میں میرا احساس دفن ہو کر رہ گیا۔ میری زندگی کی بنیاد ایک ایسے الاؤ پر رکھدی گئی جہاں میں قطرہ قطرہ پگھلنے لگی۔ وہ شادی سودا بازی سے کم نہ تھی۔ آئے دن کی فرمائش بابا کا بڑھتا ہوا قرض، فرحان کی بے اعتنائی ان کے والدین کا ظلم گویا جہیز کا یہ ناگ میرے جسم کے ہر حصے کو ڈس رہا تھا۔ سیتا کی سچائی۔ مریم کی پاکیزگی، زلیخا کی چاہ، رادھا کی وفا، میرا کی بھکتی، لیلیٰ کا پیار سب کچھ اس جہیز کی آگ میں جل کر بھسم ہو گیا۔ کوئی یہ پوچھنے والا نہیں کہ لڑکی کے گن کیا ہیں سب دھن کے رسیا ہیں عورت کی وفا کو زر، حیا کو زیور، خدمت کو دولت، قربانی کو سرمایہ سمجھنے والا کون رہا۔ نکاح کے چار لفظوں اگنی کے سات پھیروں کے تقدس کو کچل دیا گیا۔ سچ کیسے دکھ اٹھائے ہیں میں نے، کتنے ستم سہے۔ میری جسم کے داغدار حصے انصاف طلب کرتے ہیں بوا۔ اس نے اپنی باہیں بوا کے آگے پھیلا دیں۔ گورے گورے جسم پر آبلوں کے گہرے گہرے داغ تھے۔ بوا کی آنکھیں رستا ہوا ناسور بن گئی۔ "کبھی کبھی سمندر کا سکوت کسی گہرے طوفان کا پیش خیمہ ہوتا ہے" اگلے دن شکیب نے اُسے دیکھتے ہی کہا

"ارے آپ ــ" وہ خیالوں کے جھرمٹ سے باہر نکل آئی۔

"ایک سوال کروں جواب دو گی ندا"

"کہیے ــــ"

"خزاں کے بعد بہار، ہر شب کے بعد سویرا۔ ہر آنسو کے بعد مسکان، ہر دکھ کے بعد سکھ۔ زندگی کے ان دو پہلوؤں سے تمہیں انکار تو نہیں ہے نا" "نہیں لیکن تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ صحرا کو خزاں یا بہار سے مطلب نہیں پتھر کے مجسمے آنسو اور مسکان کے فرق سے عادی ہوتے ہیں۔ کانٹے کھلنے اور مرجھانے کے خوف سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ ہے نا!" ندا نے ایک گہری نگاہ شکیب پر ڈالی۔

"تم ہارنا نہیں جانتی ہو ندا۔

"نہیں شکیب میں نے تو زندگی کی اتنی بڑی بازی ہار دی ہے کہ اب کسی مقابلے میں حصہ لینے کی ...

"آہنی ارادے تیز رو ہواؤں کا رخ بدل دیتے ہیں۔ اقرار کے سکے ڈال کر مجھ غریب کی ...

www.taemeernews.com

شکیب کا لہجہ عاجزانہ تھا۔

" شکیب خیرات کی سانسیں دیرپا نہیں ہوتیں۔ مانگی ہوئی خوشیاں دل کو سکون نہیں دے سکتیں میں تمہارے قابل نہیں رہی۔ میں ایک کٹی ہوئی پتنگ ہوں ایک ایسا آئینہ ہوں جس پر وقت کی گرد جم چکی ہے ایک ایسا پھول ہوں جو شاخ سے کٹ کر گر چکا ہے۔" ندا کی آواز مرتعش ہو رہی تھی۔

" پلیز ندا۔ سے زخم خانے پر تیزاب نہ برساؤ تم نہیں جانتیں میں نے بڑے جتن بڑے آرزوؤں سے اسے سجا رکھا ہے" شکیب کی آواز رندھ گئی۔ " میں تمہیں کچھ نہیں دے سکوں گی شکیب ظالموں نے ماں بننے کا حق بھی مجھ سے چھین لیا۔ بابا تو صرف طلاق کی نوٹس دیکھ کر قید حیات سے آزاد ہو گئے اور میں جنم جنم کی سزا بھگتنے کیلئے زندہ رہ گئی ہیں شکیب میں تمہاری زندگی برباد نہیں کر سکتی۔ کبھی نہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔ "ندا میرے انتظار کا پیمانہ کبھی چھلک نہ پائیگا" وہ واپس چلا گیا۔ "بوا۔ بولو میں کیا کروں ---" وہ بوا کی گود میں گر پڑی۔ اسکی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ بوا میں شکیب کے قابل نہیں ہوں میں اسکی زندگی برباد نہیں کر سکتی مجھے یہاں سے لے چلو میں اسکی زندگی سے بہت دور جانا چاہتی ہوں جہاں وہ میرے سایے کو بھی نہ چھو سکے۔"

" کہاں جاؤں گی میری بچی ---" بوا بے تاب سی ہو گئی۔

اس شہر سے دور بہت دور جہاں نہ ماضی کی یادیں ہونگی۔ نہ شکیب کا اصرار" اور وہ ایک مضبوط ارادے کے ساتھ خود کو تیار کرنے بیٹھی۔ بوا کے جھریوں بھرے چہرے پر موت کے سائے لرزنے لگے۔

" صبح کی اولین ساعتوں میں جب وہ اپنا اثاثہ سمیٹے گھر سے نکلنے کو تھی کہ شکیب چلا آیا۔

" ایسی بے مروتی تو دشمن بھی نہیں کرتے" اس نے ندا کا جائزہ لے کر کہا۔

" شکیب۔ خدا کے لیے مجھے غلط نہ سمجھو میرا یہ فیصلہ یقیناً ہم سب کے لیے بہتری کا باعث ہوگا۔ تم ڈاکٹر ہو۔ ملک اور قوم کا سرمایہ۔ والدین کی آرزوؤں کا ثمر جاؤ ان کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرو۔"

" بے شک میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ موت کو زندگی سے بدلنا میرا مقصد ہے اور اسی مقصد کی تکمیل کیلئے تو میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ سماج کے جس زخم سے تم گھائل ہو میں اسی کے لیے مرہم لایا ہوں۔"

" لیکن میں تو ایک ایسا درخت ہوں جس پر نہ پھول ہی کھلے ہیں اور نہ کوئی پتے ہی اگے ہیں۔ ایسے درخت کے سائے میں تمہیں کیسے پناہ ملیگی۔ طلاق کی بدنام مہر میرے نام پر لگ چکی ہو تم اپنے اجلے دامن ... سمیٹ دو اور ... کو ... اپنے والدین کی خوشیوں کو میرے لئے پامال نہیں کر سکتے۔ دنیا نے مجھ جیسی کتنی ابھاگنیں ہونگی جو ... کا شکار ہو کر یا تو خودکشی کر چکی ہونگی یا کسی کوٹھے کی زینت بنی ہونگی یا پھر سی

www.taemeernews.com

زندہ لاش کی طرح سسک رہی ہوگی۔ کیا انہیں کوئی ایسا شکیب مل سکتا ہے ـــــ ؟"

"کیوں نہیں۔ اگر شرافت، انسانیت اور اخلاقی قدریں باقی ہوں تو ہر گھر میں ایک شکیب ضرور پیدا ہوگا جو عورت کو بیوی کے روپ میں قبول کرے گا نہ کہ اسے کھلونے سکوں کی تجوری سمجھے گا۔"

یہ شکیب کے بابا کی آواز تھی۔ وہ چونک پڑی۔ کار سے اترتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔

"مجھے فخر ہے کہ میں شکیب کا باپ ہوں۔ لڑکی تو خود ایک دولت ہے اسے دولت سے کیا تولا جائے۔ یہ سماج اور اسکے رواج ہمارے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ چاہے تو ہم اسے کھلونے سکوں کا ساز دیں یا معصوم مسکراہٹ کے پھول۔ تم شکیب کی زندگی میں شریک ہوکر اسے خوشی اور ہمیں راحت دوگی۔ میں تم سے تمہیں کو مانگنے آیا ہوں۔" شکیب کے بابا نے ہاتھ پھیلا دیئے اور وہ ان کے قدموں میں جھک گئی۔ بوا کی پیشانی پر خوشیوں کے چاند جگمگانے لگے۔ نیا سورج اپنی روشن کرنیں سر پر سجائے دھیرے دھیرے افق سے نکل رہا تھا۔ ندا کی زندگی کے اندھیرے مٹ چکے تھے اور سحر اسے تلاش کر رہی تھی۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

منجانب

لوڈل اسکول

"مغل پورہ"

قائم شدہ ۱۹۵۹

www.taemeernews.com

انیس قیوم فیاض
ایم۔ اے (عثمانیہ)

ناداں

پہلے تو اُسے یہ سن کر بہت غصّہ آیا تھا اور سخت دِل صدمہ بھی ہوا تھا کہ پاپا دوسری شادی کرنے والے ہیں۔ امّی مرحومہ کے انتقال کے بیس سال تک انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ ہم پانچ بہن بھائیوں میں ایک ایک سال کا فرق تھا اور میں سب سے چھوٹی تھی۔ بس میری ولادت اور امّی مرحومہ کی وفات۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اُف میں نے امّی نام کی کوئی چیز ہی نہیں دیکھی۔ وہ معصوم اور مہربان چہرہ جسے سب ماں کہتے ہیں میں نے کتابوں ہی میں پڑھا تھا یا پھر دوسروں سے سنا تھا جب سہیلیاں اپنی اپنی ممیوں کا تذکرہ کرتیں۔۔۔ مجھے لگتا۔۔۔ میرے اندر تو ممّی والا خانہ ازل سے ہی خالی ہے۔

یہاں تو جو کچھ تھے بس پاپا۔۔۔۔ صرف پاپا اور اناجی۔ جنہوں نے پال پوس کر ہمیں بڑا کیا تھا۔ اکثر میں سوچا کرتی اناجی ہم سب کا کتنا خیال رکھتی ہیں۔ گھر کی ہر چھوٹی بڑی ذمہ داری انہیں کے سپرد تھی پہلے پاپا کے لیے کھانا نکلواتیں، پھر بچّوں کو کھلواتیں اور سب سے آخیر میں خود کھاتیں۔ ہم سبھوں کے میلے کپڑے چنتیں، دھوبی کو دیتیں اور سب کا حساب رکھتیں۔ ہم سبھوں کے ٹفن باندھنے سے لے کر میری دو چوٹیاں بنانے تک سارا کام اناجی کرتیں۔ ہم سب اسکول جاتے تو ہمیں دروازے تک چھوڑنے آتیں۔ خدا حافظ کہتیں۔ اور روزانہ کی تاکید پھر دہراتیں ــــــ

"دیکھو بچو اچھا پڑھنا، اچھے نمبر نکالنا۔ پھر میں تمہیں پاپا صاحب سے کہہ کر اوٹی لے جاؤنگی میرے بچوں کو۔۔۔ شملے جاؤں گی، کشمیر لے جاؤں گی۔ اور ہم سب باری باری اناجی کو پپّی دیتے بھیا اس سے مستثنیٰ تھے۔ اناجی بس ان کے سر پر ہاتھ رکھ دیتیں۔۔۔ اور ہم سب چل پڑتے۔ پاپا کھڑے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا کرتے۔

خدا حافظ۔۔۔

www.taemeernews.com

خداحافظ بیٹے . . . . .

شاید پاپا سوچ رہے ہوتے ' ہم لوگ انا جی کو کتنا چاہتے ہیں ۔
سچ مچ ہم لوگ انا جی کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے ۔
اسکول سے واپس آتے ہی ہزاروں شکایتوں کا دفتر کھل جاتا۔
" انا جی سر درد کر رہا ہے"
—— دھوپ میں پھرے ہونگے ۔
" انا جی پیر درد کر رہے ہیں۔
—— خوب کھیلے ہونگے ۔
" انا جی پیٹ دکھ رہا ہے
—— اوں ۔ اسکول میں کیا اناپ شناپ کھایا تھا تب ہی پیٹ UPSET ہو گیا ۔
"کچھ نہیں انا جی بس چیونگم ۔
—— کیوں گھر میں کتنے سارے چیونگم پڑے ہیں ۔ یاد رکھو کل سے پیسے بند سمجھے ۔ !
اوہ نو . . . انا جی پلیز ۔
پھر انا جی باری باری سب کو دوا دیتیں ' مساج کرتیں ۔ پیر دباتیں ۔
ہمارے بھی ٹھاٹھ تھے ۔ یہی نہیں ہم میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو انا جی ساری ساری رات جاگتیں۔
میں کبھی کبھی وکی سے کہتی ہوں ۔
کیوں وکی بھیا اگر ہماری ممی ہوتیں تو انا جی ہی کی طرح ہوتیں ! ہے نا !
نہیں ۔ اگر ہماری اپنی ممّی ہوتیں تو تب بھی شاید انا جی جیسی نہ ہوتیں۔
مجھے وکی کے جواب پر سخت غصّہ آیا ۔
دیکھو وکی تم میری ممّی کو برا کہو گے نا . . . . تو
" اچھا بس بس ۔
پگلی . . . تجھے کیا پتہ انا جی کیا ہیں ۔ انہوں نے ہمارے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ انّا جی نے اپنی ساری زندگی ہم پانچوں پر سے صدقہ کر دی ہے ۔ پاپا کہتے تھے وہ بالکل لڑکی سی تھیں جب ہمارے گھر آئی تھیں
پھر بیس برس انہوں نے ہمارے ساتھ یوں گذارے جیسے ہم سب ان کے اپنے بچّے ہوں ۔ سگے ہیں

www.taemeernews.com

امی کی وفات کے بعد پاگل سے ہو گئے تھے۔ ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہتے اپنے آپ سے باتیں کیے جاتے۔ انہی دنوں انا کے شوہر گذرے تھے۔ وہ کام کی تلاش میں ادھر ادھر پھرتے پھراتے ہمارے یہاں پہنچے تو پاپا نے یہ سوچ کر انہیں پناہ دے دی کہ شاید اسطرح بچوں کی دیکھ بھال بھی ہو جائے گی مجھے اچھی طرح یاد ہے انا جی کو جب پاپا کے سامنے جانا ہوتا تو ہمیشہ نگاہیں نیچی رکھتیں۔ دبی آواز سے بات کرتیں اور ہمیشہ سرکار کہہ کے بلاتیں۔

پھر ایک دفعہ تو لوگوں کے اکسانے پر پاپا نے انا جی کو شادی کا پیغام بھی بھجوایا۔

لیکن انا جی نے صاف انکار کر دیا۔

انہوں نے کہا تھا۔

"سرکار مجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر مت بٹھایئے۔ مجھے بچوں کی خدمت کر کے ہی جی لینے دیجئے میرے حصہ کی شوہرداری تو اسی وقت ختم ہو گئی جب میں نے بیوگی کا کفن پہن کر آپ کی دہلیز پر اپنا قدم رکھا۔ خدا کے لیے زیتون کو مجبور نہ کیجئے سرکار۔۔۔۔ ورنہ آپ پچھتائیں گے اپنے لیے نہیں۔۔۔ اپنے بچوں کے لیے۔۔۔۔

اس کے بعد نہ کسی نے دیکھا نہ سنا، نہ ہی پاپا نے شکایت کا موقع دیا نہ ہی انا جی اپنے قول سے پھریں۔ آج انا جی کو پورے سفید بال دیکھ رہی ہو۔ یہ ہم سب کو پال پوس کر بڑا کرنے کا تاوان ہے۔ کتنی مشقت اٹھائی ہے انہوں نے ہمارے لیے۔ ہم پانچوں مل کر بھی ان کے احسانوں کا بدلہ نہیں چکا سکتے۔ سچ پوچھو تو وہی ہماری ماں ہیں — بھلے ہی وہ ہماری ماں نہ رہی ہوں لیکن انہوں نے سب کچھ تیاگ کر۔ ہر تکلیف برداشت کر کے ہمیں اس قابل کیا ہے کہ ہم انہیں ماں کہہ سکیں۔

میری آنکھیں بھیگ گئیں تو وکی بھیا نے مجھے دلاسا دیا۔ کبھی ایسی کوئی بات نہ کہنا کہ انا جی کو تکلیف ہو جائے۔ اب ہم بڑے ہو گئے ہیں۔ اسلیے اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم انہیں خوش رکھیں۔

"اور اب یہ پاپا صاحب کو کیا سوجھی وکی بھیا کہ دوسری شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ پتہ نہیں!

کیا اس سے انا جی پر اثر نہیں پڑے گا اگرچہ کہ وہ پاپا سے شادی کرنا نہیں چاہتی تھیں۔" ہاں اثر تو پڑے گا ہی لیکن کیا کیا جائے۔۔۔ ایک نئی عورت کے آنے سے انا جی کا سارا اقتدار چھن جائیگا۔ اور وہی سب کچھ ہو گا جو ہماری نئی امی چاہیں گی۔

www.taemeernews.com

اوہ نو ... وکّی بھیّا میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔
تم کیا کرو گی بے بی ... ہم تم سے بڑے ہیں ہم کچھ نہیں کرسکتے تو تم کیا کرو گی۔
اور ایک شام مجھے پاپا۔ نہایت خوشگوار موڈ میں مل گئے۔ میں نے انہیں خوش کرنے کی خاطر اسپورٹس میں جیتے ہوئے سارے PRIZES پاپا کے سامنے رکھ دیئے۔ وہ خوشی سے چلّا اٹھے۔ . . . ونڈرفل۔
. . . آخر بیٹی کس کی ہے۔ اگر ممّی ہوتیں تو آپ سے بھی زیادہ خوش ہوتیں۔ ہے نا پاپا . . . .
ہوں . . . پاپا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ تم سچ کہتی ہو بے بی۔
انّاجی نے دیکھے تمہارے PRIZES !
نہیں آپ کے بعد انا جی کا نمبر آئے گا۔
اوہ THAT IS ALSO RIGHT
کچھ ٹھہر کر بابا بولے۔
بیٹے میں سوچ رہا ہوں . . . تم لوگ اب کافی سیانے ہو گئے ہو۔ سب کی ایک نہ ایک دن شادی ہوجائے گی۔ ہر ایک اپنا اپنا الگ گھر بسا لے گا۔ اسکے بعد ہماری زندگی دوبھر ہوجائے گی۔
ظاہر ہے انا جی کے ساتھ ہم کسی رشتہ کو چپکائے تو نہیں جی سکتے۔
. . . ہاں آپ درست فرماتے ہیں پاپا . .
ہم نے سوچا ہے تمہارے نصیب انکل کی لڑکی کے لیے رشتہ بھجوائیں۔
نازیہ کے لیے۔
. . . اوہ نو پاپا . . . وہ تو مجھ سے بھی چھوٹی ہے۔
نہیں تم سے کچھ بڑی ہے۔
بہت بڑی بات ہوگی پاپا . . . اچھا ہوتا اگر آپ وکّی بھیا کے لیے نازیہ کو مانگتے۔ وکی کسی بڑے گھر سے اپنی دلہن لائے گا۔ تم لوگ چاہتے ہو بیس برس کے تیاگ کے بعد اگر ہم شادی کریں تو کسی پچاس سالہ بوڑھی عورت سے . . آخر کیوں
ہم نے بیس برس تم لوگوں کی خاطر بن باس کی طرح گذارے اور اب تم کہتی ہو۔
ہم نازیہ کے لیے رشتہ نہ مانگیں۔
چٹاخ . . . . !!!

www.taemeernews.com

ایک بھرپور ہاتھ میرے گال پر پڑا اور میں چکرا سی گئی۔ کچھ دیر تو یہ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر کیا ہوا ہے۔
پھر آہستہ آہستہ احساس ہوا کہ یہ پاپا کا ہاتھ ہرگز نہیں تھا۔ پاپا نے تو ہم میں سے کسی پر بھی ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔

چکرائی ہوئی آنکھوں سے میں نے دیکھا انا جی اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لئے کانپ رہی تھیں۔
"بیٹی یہ مت بھولو کہ میں یہ حق بھی رکھتی ہوں۔ بڑوں سے یہ بدتمیزی کرنے کا سبق میں نے کبھی نہیں دیا۔ چلی ہے ایک اسکولی لڑکی اپنے باپ کو سمجھانے ... یہاں شادی نہ کرو۔ وہاں شادی نہ کرو۔
پھر انہوں نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ اور تھام کرے جاتے ہوئے پاپا کی طرف مڑیں۔
"سرکار آپ بے بی کی باتوں کا خیال نہ کریں یہ تو بچی ہے۔
اور مجھے اپنے کمرے میں ڈھکیل دیا۔

نیک تمناؤں کے ساتھ۔

مناسب قیمتوں پر ایک ہی مقام پر تمام اقسام کی دوائیں موجود ہیں۔

تشریف لائیے۔

پیرا ماؤنٹ میڈیکلس

(کیمسٹ اور ڈرگسٹ)

نلگنڈہ کراس روڈ۔ مون راک ہوٹل۔ ملک پیٹ۔ حیدرآباد ۳۶

مینجنگ پارٹنر:۔ ایم۔ اے۔ سلیم ڈی پی ایچ، فارماسسٹ

www.taemeernews.com

قمر جمالی بی۔اے (عثمانیہ)

فاتحِ عالم

یوں تو وہ بس شہر کے مضافاتی علاقے میں جاتی تھی۔ میری منزل تو راستے ہی میں تھی۔ اور یوں بھی رات کے ساڑھے بارہ بجے کا عمل اور دھواں دھار بارش میں بس کا ملنا ایک آسمانی نعمت سے کم نہ تھا۔ دراصل میں اور میرے میاں ہم دونوں غزلوں کے پروگرام سے واپس لوٹ رہے تھے۔ جس وقت تھیٹر پہنچے بالکل سوکھا تھا ہاں بارش کے کچھ کچھ امکانات ضرور تھے۔ مگر پتہ نہیں کب بارش شروع ہوئی۔ اتنی طوفانی بارش ہو رہی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہ دیتا تھا۔ ہم تھیٹر سے باہر نکل کر کاریڈور میں ایک گھنٹے تک بارش کے رکنے کا انتظار کرتے رہے مگر بارش تھی کہ اور زور پکڑتی رہی۔ پھر یوں بھی شام کا مہمان اور رات کی بارش خدا جانے کہاں ہوتی ہے۔! ہم نے اپنی موٹر سیکل وہیں تھیٹر کے اسٹینڈ پر رکھ چھوڑا اور کسی آٹو رکشا یا ٹیکسی کی تلاش میں تھیٹر سے باہر نکل پڑے۔

ابھی سڑک عبور ہی کر رہے تھے کہ دور سے آر۔ ٹی۔ سی بس کے ہیڈ لائٹس دکھائی دیئے۔ میں تو ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ آیا بس پکڑیں کہ میرے میاں بیچ سڑک پر کھڑے زور زور سے ہاتھ ہلانے لگے۔ بس رک گئی تو انہوں نے مجھ سے کہا۔

"چلو آسمان سے اتری ہے"۔

"کون ہے"؟ میں چونکی۔

"ارے بھئی چڑھو۔ ایسے وقت میں بس کا ملنا نزول من وسلویٰ سے کم نہیں۔ چلو چلو"۔

میرے میاں ذرا زندہ دل قسم کے انسان ہیں۔ بالکل میرے برعکس۔ جہاں میں بات بات پر اداسی ہو جاتی ہوں، کسی بھی ذی روح کے اندر گھس کر زخم جگر ٹٹولنے کی عادی ہوں وہیں وہ گندی اور سڑی سی چیزوں میں سے بھی خوبصورتی کا ریزہ ریزہ چن کر باہر نکالنے اور ایک حسین پہلو تراشنے میں اور کہتے ہیں

www.taemeernews.com

ہنسو اور ہنساؤ۔ پتہ نہیں تم کیسی ادیبہ ہو۔ ادب کے نام پر صرف آنسو بانٹتی رہتی ہو۔ میری سنو کسی کی آنکھوں میں اتنا اندر تک نہ جھانکو کہ تمہاری نگاہوں کی چبھن محسوس کر کے اسکی اپنی آنکھیں چھلک پڑیں۔ شبنم یہ زندگی خدا نے صرف رونے اور رلانے کے لیے نہیں دی۔ زندگی تو قدرت کی سوغات ہے۔ ذرا سجا سنوار کر دیکھو۔ کیسی چھبیلی، رنگیلی ہو جاتی ہے۔! یار شبنم! تم نے اس بیچاری کو مونگے کی پتھاروں کی طرح نکیلی کر دیا ہے کہ بس جہاں جہاں سے گذری کہ ماحول لہولہان ۔۔۔! نانا بھی ہم سے یہ نہیں چلے گا۔ ہم تمہارے فن کے قدردان ضرور ہیں مگر تمہارے اندازِ فکر سے متفق نہیں۔

جوں ہی میں نے بس میں قدم رکھا وہ میری طرف پلٹے اور کہنے لگے " باپ رے ۔۔ مر گئے ۔۔ چلو چلو اترو۔ کوئی دوسری سواری کر لیتے ہیں۔" جتنی تیزی سے وہ بس میں قدم رکھے اتنی ہی سرعت سے اترنے کے لیے فٹ بورڈ تک پہنچ گئے۔ مگر اس دوران میں بس ہل چکی تھی"۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دوبارہ اندر آگئے۔

بس خالی کھلی پڑی تھی۔ ایک تو آدھی رات کا سماں دوسرے دھواں دھار بارش۔ کس کی شامت اعمال تھی کہ ایسے موسم میں باہر نکلتے۔ میں نے ایک طائرانہ نظر بس میں ڈالی۔ سارے کے سارے مسافر مرد تھے۔ کچھ مزدور قسم کے لوگ تھے۔ کچھ بیکار قسم کے ادھر اُدھر بھٹکنے والے تو ایک آدھ ہماری طرح اتفاقاً سفر کرنے والا بھی تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جب میں بس میں بیٹھے مسافروں کا جائزہ لے رہی تھی تو میرے میاں خواہ مخواہ ہی مجھے ڈسٹرب کر رہے تھے۔ انکی اس کمزوری سے میں بخوبی واقف ہوں۔ جب بھی میری نگاہ کسی فکر طلب چیز پر پڑتی وہ یوں ہی میری توجہ اُس طرف سے ہٹا دیتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت بھی وہ ایسا ہی کچھ کر رہے تھے۔ آخر وہی ہوا۔ میری نظر پھیلتی ہوئی بس کے اس آخری سیٹ پر جا رکی جہاں ایک بے حد غریب مزدور قسم کی عورت اپنے ننھے سے بچے کو اپنے بوسیدہ پلو میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اُف میرے خدا ۔۔!" میرے منہ سے بےساختہ نکلا۔

کیا ہوا ۔۔؟ انہوں نے پوچھا۔

"اُدھر دیکھو" میں نے کہا۔

"اوہ ۔۔۔ چلو غارت ہوئی آج کی رات بھی" انہوں نے لمبی سانس کھینچکر کہا۔ "مجھے پہلے ہی سے ڈر تھا ۔۔"

تو آپ میری توجہ اُس کی طرف سے ہٹانا چاہ رہے تھے۔ میں نے پوچھا پھر اور کیا کرتا۔ کتنے شاعرانہ ماحول سے باہر نکلے تھے۔ طبیعت میں ترنگ ابھی تک موجود ہے۔ مگر اب تو سب غارت ہو گیا۔

www.taemeernews.com

اب تم ساری رات اُس غریب عورت کی بے بسی پر روتی رہو گی اور شہیر میاں تارے گن گن کر رات کاٹیں گے۔ سالا اپنی قسمت میں تو تنہائی ہی رکھی ہے "۔

" ایسے کیوں کہتے ہو ۔ آپ دیکھیں تو ۔ دل خون کے آنسو رو دے !! " وہ تو ہم روتے ہی ہیں ۔ ہر رات تم کسی نہ کسی کا غم یاد کر کے سارا موڈ ستیاناس کرتی ہو "۔ وہ سچ مچ سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔

" شہیر ۔ " میں بھی حیران تھی ۔ " کیا بات ہے شہیر ۔ اتنے سنجیدہ کیوں ہو گئے ۔ ناراض ہو گئے ہو کیا ؟ "
ارے نہیں ۔ تم سے ناراض ہو کر کہاں جاؤں گا ۔ گھوم پھر کر پھر تمہارے ہی دروازے پر دستک دینی ہو گی "
وہ ایکدم کھل پڑے۔ انکی عادت تھی ۔ وہ ہمیشہ ہنستے رہتے تھے۔ کبھی میری کسی حرکت پر ناراض ہوتے تو ہوتے بھی ہوں مگر اس خوف سے کہ میں سنجیدہ نہ ہو جاؤں انہوں نے اپنی خفگی کو ایک یا دو منٹ سے زیادہ طویل ہونے نہ دیا ۔ اگر کبھی غصّہ بھی ہوتے تو ہنس کر ٹال دیتے ۔ دراصل ہنسنا انکی عادت ہے اور وہ اپنی عادت سے مجبور ۔

شہیر کی ناراضگی کا خیال کر کے کچھ دقفے تک میں بھی انکے برابر خاموش بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کرتی رہی مگر چلمن ۔ باراں اتنی دبیز تھی کہ باہر کچھ دکھائی نہ دیتا تھا اور پھر دل تھا کہ اندر سے بار بار پیچھے مڑنے کی تلقین کر رہا تھا ۔ بڑی دیر تک میں نے اپنے آپ کو دبائے رکھا مگر کب تک میرے اندر کی فنکار بری طرح تڑپ رہی تھی ۔ چلّا رہی تھی ، احتجاج کر رہی تھی کہ کاش غریبی ، افلاس دکھ ، درد اگر مجسم ہو کر سامنے آتے تو نوکِ قلم سے انکے دل چیر دیتی ـــــ انکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ارباب دیار کے با وقار طبقے کے سامنے رکھتی کہ دیکھو آج میں نے ان منحوسیوں کو قتل کر دیا ہے جن پر تکیہ کر کے تم خود کو ان مجبور و بے بس انسانوں پر برتر سمجھنے لگتے ہو پشتہا پشت سے اِن نحوستوں کی صعوبتیں سہتے آ رہے ہیں ۔ کاش ـــــ کاش ـ !! آخر میں نے اپنے اطراف کا حصار توڑ دیا اور پیچھے مڑ کر اس مجبور عورت کو دیکھنے لگی ۔

عورت کے جسم پر اتنا ناکافی لباس تھا کہ وہ اپنے جسم کی گرمی قائم نہ رکھ سکی تھی ۔ وہ بھلا اپنے جگر گوشے کو کس طرح گرم رکھ سکتی !! پھر بھی وہ حتیٰ المقدور کوشش کر رہی تھی کہ بچے کو سردی سے بچائے رکھے ۔ اپنا بے حد پھٹا ہوا ساری کا پلو اُس ننھی سی جان کے اطراف لپیٹے اُسے اپنے سینے سے اس طرح چمٹائے ہوئے تھی کہ سردی کوئی شیطانی عفریت کی شکل میں خونخوار نگاہوں سے اسکے بچے کی طرف دیکھ رہی ہے اور بہر صورت اپنے جگر گوشے کو اسکی پہنچ سے باہر رکھنا چاہتی ہے ۔ وہ مجسم بے بسی تھی۔

www.taemeernews.com

بیس بائیس برس کا سن ہوگا۔ جسم جوان اور چہرہ مکھڑا بھی کوئی بُرا نہ تھا۔ ہاں مگر غریبی اور افلاس نے اُسکے چہرے سے خون چوس لیا تھا اور جدوجہد زیست نے اُسکے رخساروں سے گوشت کھرچ لیا تھا۔ اُسکی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں یاس و حسرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اتنے سارے مردوں کے بیچ وہ تنہا عورت تھی۔ مگر اسے کسی بات کا احساس نہ تھا۔ وہ تو اس وقت صرف اپنے بچے کے وجود میں گم تھی۔ کہیں دور ــــ جانے کہاں میں فنکار ہو کر بھی اُسے ڈھونڈ نہیں پا رہی تھی۔ اُسکے حرکات و سکنات سے اسکے اضطراب کا پتہ چلتا تھا۔ کبھی وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بچے کو سینے سے بھینچ لیتی اور کبھی ہوا کے ایک تیز جھکڑ کے ساتھ پانی کی پھوار اندر کی طرف آنے لگتی تو وہ بچے کو کھڑکی سے نیچے کر دیتی اور رانوں پر لٹا کر اپنا پلو اُسکے اطراف لپیٹنے لگتی۔ بچہ بھی بالکل چھوٹا تھا شاید ایک ماہ کا رہا ہوگا۔ بس گوشت کا لوتھڑا تھا۔

بس میں بیٹھے سبھی لوگ باری باری اسکی طرف متوجہ ہوتے پھر آہستہ آہستہ اپنے آپ میں لوٹ جاتے۔ آج کے اس تیز رفتار زمانے میں کسے اتنی فرصت تھی کہ دوسروں کے لیے اپنا سر درد کرتے رہیں۔ پھر ہر ایک کے اپنے ہی کتنے درد ہیں ــــ! آدمی درد کے بنا جی ہی کہاں سکتا ہے چاہے اپنا ہو یا پرایہ درد ہی اُسے زندہ رہنے کا حوصلہ دیتا ہے اور یہ سچ ہے کہ انسان درد کی معیت میں کتنا مکمل رہتا ہے درد غم سب کے مشابہ ہوتے ہیں چاہے وہ غم دوراں ہو کہ غم جاناں ــــ تب ہی آدمی جب کسی مجبور کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے اُسے اُس مجبور کی آنکھوں میں اپنی شبیہہ نظر آتی ہے اور وہاں اُسکا اپنا وجود کہیں گم ہو جاتا ہے۔ نہ خود باقی رہتا ہے اور نہ وہ ــــ بس باقی رہتا ہے تو ایک احساس ــــ جو انسان کو حوصلہ دیتا ہے جینے کا سلیقہ سکھاتا۔ زندہ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہی وجہ تھی شاید کوئی بھی شخص اُس عورت کو لمحہ بھر سے زیادہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ ہاں کچھ مرد ایسے ضرور تھے جن کی نگاہیں کسی تیز دھارا چاقو کی طرح اسکے جسم پر نشتر لگا رہی تھیں۔ وہ عورت جب بھی کسی کی چبھتی نگاہوں کو اپنے جسم پر محسوس کرتی تو تلملا جاتی اور اپنے ناکافی لباس کو اُن نگاہوں کے آگے پردہ سا بنا لیتی۔ مگر اس کی غریبی اسکی اپنی جوانی کی طرح سرکش تھی۔ ایک طرف سے اپنے جسم کو چھپاتے کپڑا ہٹاتی تو دوسری طرف سے اسکی جوانی چغلی کھانے لگتی میں محسوس کر رہی تھی کہ وہ بے حد پریشان تھی۔ اپنی تنہائی سے، آدھی رات کے سفر سے، بارش کے تابڑ توڑ حملوں سے، ناکافی لباس سے جھانکتی ہوئی اسکی بے سہارا جوانی سے، بوڑھے کتوں کی جھنجھوڑتی نگاہوں سے ــــ اور ــــ اپنے جگر گوشے کو سردی سے اکڑتا ہوا دیکھنے سے ــــ

بس اب شہری حد کو بہت دور چھوڑ چکی تھی۔ جوں جوں اضافاتی علاقے کی طرف جا رہی تھی۔

www.taemeernews.com

بارش کے تیور اتنے ہی خطرناک معلوم ہو رہے تھے۔ اب ہماری منزل بھی آنے کو تھی۔ اسٹیج آنے سے قبل ہی ہم دونوں سیٹ سے اُٹھکر کھڑے ہو گئے۔ میں نے دیکھا جوں ہی میں اُٹھکر کھڑی ہوئی وہ عورت قدرے بے چین ہو گئی۔ ہو سکتا ہے میری موجودگی سے اُسے اتنے سارے مردوں کے بیچ تنہائی کا احساس کچھ کم ہو گیا تھا۔

جانے کیوں خود مجھے بھی اُسے اکیلا چھوڑ کر اترتے ہوئے اچھا نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ مگر اس معاملے میں بھی اتنی ہی بے بس تھی جتنی وہ خود اسٹیج اب کچھ ہی گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا کہ شہیر فٹ بورڈ پر جا کھڑے رہے۔ میں بھی انکے پیچھے ایک قدم اور آگے بڑی۔ اب جبکہ میری نظر اُس عورت پر پڑی میں نے محسوس کیا وہ بھی اُٹھنے کے لئے پر تولنے لگی تھی۔ ایک لمحے کے لیے میں چکرا گئی کہ خدارا اس طوفانی بارش میں کیا وہ اتنے ننھے بچے کو لئے خود بھی اتر جائے گی ــــ! اور وہ بھی میرے پیچھے ــــ!

"جانے کیا ہوگا ــــ اللہ ــــ کیا ہوگا ــ!"

"کیا ہوگا ــ؟ بچہ مرجائے گا" شہیر کی آواز پر میں چونکی شاید بے خیالی میں میں بلند آواز کہہ گئی تھی۔

یہ تم کہہ رہے ہو شہیر۔ اتنی آسانی سے ــ!!

کیوں سچ کہنے پر پابندی ہے کیا۔ دیکھ لو۔ بچہ کیسا نیلا پڑ گیا ہے۔

ہاں ــ! میں بے حد پریشان ہو گئی اور بے چینی سے اس ننھی سی جان کو دیکھنے لگی جو سچ مچ سردی کی تاب نہ لاکر نیلا پڑ رہا تھا۔ اب وہ عورت بھی اپنی سیٹ سے اُٹھکر کھڑی ہو گئی تھی۔

"بالانگر ــــ" کنڈکٹر نے ہانک لگائی۔ اب میری منزل آنے کو تھی۔ میں اب اترنے کے لئے بالکل تیار تھی۔ یکایک وہ عورت تیز قدموں سے چلتی ہوئی بالکل میرے مقابل آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ یہ کیا یہ سچ مچ یہاں اترے گی ــ! میں نے گھبرا کر ایک نظر کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر سردی سے اکڑے ہوتے بچے کو۔ وہ لمحہ بڑا پریشان اور سراسیمگی میں گذرا مجھ پر بھی اُس عورت پر بھی۔ عورت کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جارہا تھا۔ اسکی رنگت پر بڑی تیزی سے تبدیلی آرہی تھی۔ پھر یکایک کیا ہوا ــ وہ میرے زورِ قلم سے آگے ہے۔ میں نے دیکھا اسکا چہرہ پرملال ہو گیا ــــ اُسکے سہمے ہوئے اعضا تن گئے ــــ اور ــــ اور پلک جھپکتے ہی اُس نے اپنے جسم پر لپٹی ہوئی ساڑھی کھینچی اور نیلے پڑتے ہوئے اپنے لختِ جگر کے اطراف کس کر لپٹا۔ اسکا پھٹا کوٹ اور چولی جا بجا پھٹے تھے۔ اسکا عریاں جسم دعوتِ نظارہ دے رہا تھا مگر وہ ــ وہ تو ــ ایسی اکڑی

www.taemeernews.com

کھڑی تھی جیسے ننگی ہوتے ہوئے بھی اُس نے بے حساب ڈوپٹے اوڑھ رکھے ہوں۔ میں نے اسکی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ کیا مجال وہ زرا بھی ٹس سے مس ہوتی ہو۔ اُسکی لرزتی پلکوں، کپکپاتے ہونٹ اور استقلال سے چمکتے چہرے پر ایک نور تھا ــــ اللہ کیا رعب تھا۔ میں نے زندگی کے چہرے پر اتنا جلال بہت کم دیکھا تھا۔ اب اُسکا چہرہ پُرسکون تھا ــــ ہر وسوسے، پریشانی سے پاک تھا۔ میں لگ گئی تھی۔ میں نے اترتے ہوئے ایک نظر مسافروں کو دیکھا۔ حیرت سے میرا سر چکرا گیا۔ ابھی کچھ دیر قبل جن مردوں کی نگاہیں اسکی پھٹی جوانی کو جھنجھوڑ رہی تھیں وہی نگاہیں اب جھکی ہوئی تھیں۔ گویا ممتا کا دبیز پردہ اسکے بے لباس جسم کے آگے حجاب بن گیا تھا۔ زندگی کی اتنی شاندار فتح میں نے بہت کم دیکھا تھا۔ میرے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی اور میں نے بہت ہی فاتحانہ انداز میں اپنے شوہر سے کہا۔

زندگی کے چہرے پر اتنا جلال کبھی تم نے دیکھا ہے شبیر ــــ ؟ اور پھر اُس عورت کی طرف دیکھکر بے اختیار کہہ اٹھی ــــ تم بہت بہادر ہو ماں ــــ بہت عظیم ہو ــــ فاتح عالم ہو ــــ دنیا جہاں کی تسخیر شاید اسی کا نام ہے ــــ !!!

پچھلے ۲۲ سال سے پابندی سے شائع ہونے والا ہندو پاک کا ایک

منفرد طنز و مزاح کا ماہنامہ

شگوفہ

مدیر: ڈاکٹر سید مصطفےٰ کمال

پتہ: مجرد گاہ، روم نمبر ۳۱، معظم جاہی مارکٹ۔ حیدرآباد ۱

www.taemeernews.com

افسانہ

ڈاکٹر صفیہ انکولوی

اندھا کون؟

جدید تعلیم کا ایک نیا نکتۂ نظر یہ ہے کہ تعلیم محض کلاس روم کی چار دیواروں میں اور اسکول میں ہی حاصل نہیں کی جاتی بلکہ راستے پر اسٹیشن پر اور بس سٹاپ پر بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ایسی تعلیم کو INFORMAL LEARNING کہتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ بمبئی کی لوکل ٹرینوں میں روزانہ سفر کرنے والوں کو ایسی INFORMAL EDUCATION کے زبردست مواقع ملتے ہیں۔

شام کے چھ بج چکے تھے لوکل ٹرین اندھیری اسٹیشن سے چرچ گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ زنانہ ڈبے میں چند تھکی ہاری خواتین دن بھر کے کام کاج کے بعد گھر لوٹ رہی تھیں ایک دو "ماہر فن" بھکاری

؎ میں تو آرتی اتاروں رے ۔۔۔۔ سنتوشی ماتا کی

گاکر اپنی جیبیں بھر رہے تھے۔ اور اسٹیشن پر ٹرین ٹھہری تو ایک اندھا بھکاری داخل ہوا۔ میرے سامنے بیٹھی ہوئی شریمتی جی نے اپنی لڑکی کے ہاتھ میں چونّی دے کر کہا "لے بیٹا"۔ اسے اندھے بابا کو دے دے۔ یہ بیچارہ اندھا ہے۔ میں تو بہن دان دیتی ہوں تو ایسے ہی اندھوں کو"۔ وہ اندھا پیسے لے کر لاٹھی ٹیکتا آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک اور اندھا بھکاری ریل کے ڈبے میں داخل ہوا۔ وہ بھیک نہیں مانگ رہا تھا وہ اُود بتیاں فروخت کر رہا تھا۔ اُس کے آتے ہی کمپارٹمنٹ ایک دلکش اور پیاری خوشبو سے مہک اٹھا۔ وہ کہہ رہا تھا "آنکھ والو! اندھے سے اگربتی خریدو صرف دو دو روپئے کا پیکٹ ہے۔ نہایت عمدہ خوشبودار اگربتیاں ..... اندھے کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کریگا"۔ سامنے بیٹھی ہوئی شریمتی جی نے پہل کی اور چار روپئے کے دو پیکٹ خرید لئے۔ پھر دوسری بہت سی خواتین نے بھی اُس اندھے سے اگربتی خریدی۔ کچھ لوگوں نے پوچھا "بابا! پیکٹ کے اندر بھی ایسی ہی خوشبودار اُود بتیاں ہیں نا؟" وہ بولا "بالکل یہی

www.taemeernews.com

چیز ہے۔ اندھے کی بات پر بھروسہ رکھو"۔ ۔ ۔ آخر میں نے بھی آہستہ سے اپنا ہینڈ بیاگ کھولا اور دو پیکٹ اگر بتیوں کے خرید لئے استقدر دلکش خوشبو تھی کہ جی خوش ہو رہا تھا۔ سب نے کہا یہ کوئی بات ہوئی! وہ بھی ایک اندھا ہے بھیک مانگ رہا ہے۔ اور ہم اُس پر رحم کھا رہے ہیں۔ ہمدردی اصل میں اُس اندھے سے کرنی چاہیئے۔ کیسا خود دار ہے! اندھا ہونے پر بھی بھیک نہیں مانگتا۔ کچھ نہ کچھ دھندا کر کے اپنا پیٹ پالتا ہے۔

بمبئی سنٹرل اسٹیشن پر لوکل ٹرین رُکی تو میں ٹرین سے اُتری۔ میرے ساتھ وہ اندھا بھی تھا میں نے غور سے دیکھا۔ اُس نے اپنے بائیں ہاتھ میں ایک چھوٹی سی جلتی ہوئی اگر بتی چھپا رکھی تھی۔ اس خوبی سے اُسے پکڑ رکھا تھا کہ وہ ذرا بھی دکھائی نہیں دیتی تھی اور نہ اُسکا ہاتھ کہیں سے جل سکتا تھا۔ کمپارٹمنٹ میں پھیلنے والی بھینی مہک اُسی اگر بتی میں سے آرہی تھی۔

میں گھر پہنچی تو پونے سات بج رہے تھے۔ جب گھر میں چراغ جلایا تو میں نے سوچا مغرب کا وقت ہے چلو دو چار اگر بتیاں بھی جلا دیں۔ میں نے چار اگربتیاں جلا کر میز پر رکھ دیں مگر ان میں سے ذرا بھی خوشبو نہیں آئی۔ نام کو بھی نہیں!! صرف دھوئیں کی بے معنی زنجیریں نکل کر اوپر اٹھتی رہیں اور دیوان خانے کی چھت پر جا کر غائب ہوتی رہیں۔ میں اُس دھوئیں کو غور سے دیکھتی رہی۔ ۔ ۔ سفید سرمئی دھواں، بنا خوشبو کا دھواں۔ ۔ ۔ ۔ دھوکہ اور فریب کا دھواں!!

بیٹی عذرا نے کہا "امی! کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" میں نے کہا بیٹی! میں سوچ رہی ہوں کہ اندھا کون ہے"۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

منجانب:

الفتاح

ادارہ پیامات شادی

رائس ملز ملک پیٹھ۔ حیدرآباد

www.taemeernews.com

انور بصیرالدین

دشمن نہ کرے

ثمرین پلنگ پر لیٹی ڈائری کے اوراق الٹ رہی تھی ـــــ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں ـــ

" ہائے ثمرین! " گل رخ نے شوخی سے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا ـــــ

" ہائے گل رخ ـــ کب آئیں ـــ کہو کیسی ہو "

ثمرین نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا ...

" اچھی ہوں یار میری ـــ کل ہی شارجہ سے آئی اور آج تمہارے پاس ـــ یہ ڈیئر یہ کیا حال بنا رکھا ہے ـــ بیتا ـــ سناؤ تمہارے شہزادے سلیم کیسے ہیں ارے یہ کیا ـــ تم رو رہی ہو؟ ـــ

" میری داستان غم نہ پوچھو تو ہی بہتر ہے گل رخ ـــ اب میں ایک زندہ لاش ہوں ـــ لگتا ہے شمع زندگی گل ہونے کو ہے " ـــ ثمرین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا ـــ

" پہیلیاں نہ بوجھو او جان من ایسا کیا پہاڑ ٹوٹ پڑا جو یہ حال ہو گیا۔ کھلنے سے پہلے کیسے مرجھا گئی میری کلی " ـــ

" میری غمگسار کیا اب تک عزرا سے نہیں ملیں " ثمرین کے لہجے میں مایوسی تھی ـــ

" نو مائی ڈیر ـــ یو آر فرسٹ تمہارے سوا میں اب تک کسی سے نہیں ملی " ـــ گل رخ نے پیار بھرے انداز سے کہا۔

دو سال پہلے ہماری شادی ہوئی ـــ اور ویسے تم بھی تو تھیں نا ـــ سلیم کو میرے ڈیڈی نے بچپن سے سہارا دیا بلکہ پالا ـــ سلیم سنجیدہ مزاج اور سعادت مند تھا ـــ ہم دونوں چھوٹی عمر سے ہی آپس میں گھل مل گئے تھے ـــ وقت کے ساتھ ساتھ ہماری معصوم محبت بھی پروان چڑھتی رہی ـــ سلیم کے لئے ایک لمحہ بھی میرے بغیر رہنا گوارا نہ تھا ـــ میں بھی اسے ٹوٹ کر چاہتی تھی ـــ

" ہاں ثمرین مجھے اچھی طرح یاد ہے غالباً وہ تمہاری ۱۸ ویں سالگرہ تھی " ـــ وہ کس قدر خوش تھا ـــ دیکھنے والے رشک کر رہے تھے تم دونوں کی چاہت پر ـــ پھر اس کے فوراً بعد تم دونوں شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔

" ہاں گل رخ شادی کے بعد ڈیڈی نے سلیم پر بڑی محنت کی اس کے بزنس کو بڑھانے کے لئے کافی پیسہ لگایا ـــ ہم دونوں مسرت و شادمانی کے حسین دن گزار رہے تھے ـــ ہر شام وہ مجھے تفریح کے لئے لے جاتا ـــ کبھی میں انکار کرتی تو کہتا " میری رانی یہی تو دن ہیں عیش کے

www.taemeernews.com

پھر بڑے پیار سے کہتا میری دلہنیا آؤ زندگی کی رنگینیوں میں گم ہو جائیں ـــــ ایک دوسرے میں سما جائیں ـــــ ہر روز وہ میرے بالوں میں اپنے ہاتھوں سے پھول لگاتا ـــــ میری چھوٹی سی خوشی پر وہ جان نچھاور کرتا تھا ـــــ کس طرح ایک سال گذر گیا۔ اس کا پتہ ہی نہ چلا۔ لیکن ایک بات جو میرے دل میں چبھتی تھی وہ یہ کہ میری شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد غزالہ مجھ سے دور رہنے لگی گھر آنا جانا بند کردیا ـــــ بولنے پر بھی وہ کترانے لگی حتیٰ کہ ہماری شادی کی سالگرہ پر جسے سلیم نے شاندار پیمانے پر منایا غائب رہی۔ سبھوں نے غزالہ کی اس کمی کو محسوس بھی کیا ـــــ اس کے بعد آہستہ آہستہ سلیم کے رویہ میں بھی تبدیلی پیدا ہونے لگی ـــــ افسردہ بجھا بجھا رہنے لگا ـــــ میری راہوں میں آنکھیں بچھانے والا سلیم، میری سیج پر پھولوں کو سجانے والا سلیم مجھے کانٹوں میں گھسیٹنے لگا ـــــ بات بات پر جھڑکنا اور راتوں کو دیر سے گھر آنا اس کا معمول بن گیا تھا ـــــ میری ہر خوشی، ہر خواہش خواب بن کر رہ گئی ـــــ لاکھ کوشش کے باوجود میں سمجھ نہیں سکتی تھی کہ یہ سب آخر کیوں ہو رہا ہے میں اپنے آپ گھٹتی رہی ـــــ ایک دن ممی اور ڈیڈی میرے گھر آئے۔ ماحول کی اجنبیت محسوس کر کے وہ مشکوک ہوئے ـــــ گھر میں سلیم کی غیر موجودگی پر کافی انتظار کے بعد واپس ہوا ہی چاہتے تھے کہ دوکان سے ملازم نے ایک لفافہ مجھے دیا۔ ایک عجیب خوف سے میں لرز گئی ـــــ دھڑکتے دل سے میں نے اسے کھولا ـــــ آہ یا خدا وہ نکلی جو

میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی ـــــ اس میں طلاق نامہ، رقم مہر کا چیک ـــــ اور ایک چھوٹی سی پرچی میرا منہ چڑھا رہے تھے۔ پرچی پر لکھا تھا ـــــ میں نے غزالہ سے شادی کر لی ہے۔ تم مجھے بھول جاؤ جب تک یہ پرچی تمہیں ملے گی میں غزالہ کے ساتھ ہنی مون کے لئے دوبئی پہنچ چکوں گا۔

میرے دل پر بجلی سی گر گئی ـــــ سر چکرا گیا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑی ـــــ ممی اور ڈیڈی آج تک میرے حال زار پر آنسو بہا رہے ہیں ـــــ میری بہترین دوست ہوتے ہوئے بھی غزالہ نے مجھ سے بے وفائی کی ـــــ اور میری زندگی چھین لی ـــــ میرے نشیمن کو جلا کر خاک کر دیا ـــــ ثمرین کی روتے روتے ہچکی بندھ ہو گئی ـــــ گل رخ گم سم تھی بالکل پتھر کی مورت کی طرح ـــــ

اعجاز پرنٹنگ پریس

چھتہ بازار ـ فون ۵۲۰۷۷۳ 520773

قدیم و جدید کتابوں کی اشاعت کے علاوہ ہر قسم کے پوسٹرس، دعوت نامے اور ہر قسم کی طباعت نہایت ہی ذمہ داری کے ساتھ کی جاتی ہے۔

www.taemeernews.com

عابدہ رخسانہ
ایم ۔ اے

دریچہ

سامان کا بوجھ کندھوں سے اُتار کر اپنی تھکی ہوئی ناہموار سانسوں کو قابو میں کرتے ہوئے وہ اُس بوڑھے شخص کے قریب جا بیٹھی جو اُداسیوں کی مایوس کن تاریکی میں محصور ویران خوابگاہ کے وسط میں رکھی ہوئی پرانے طرز کی شیشم کی سیاہ مسہری پر دراز تھا ــــ اُسے غیر متوقع طور پر اپنے سے قریب پاکر وہ بوکھلا گیا ــــ تم ..... تم مجھ سے ملنے کے لیے آئی ہو نا ــــ میں جانتا تھا کہ تم ایک دن ضرور آؤ گی ــــ مجھ سے ملنے کے لیے ــــ صرف مجھ سے ــــ بولو کچھ تو بولو ــــ خاموش کیوں ہو ــــ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے نا ــــ اُس نے بے نیازی سے اپنے کندھوں کو جھٹک کر کہا ــــ شاید ــــ کیا مطلب ؟ بوڑھا تڑپ اُٹھا ــــ کیا تم مجھ سے ــــ یعنی تم مجھ سے ملنے کے لیے نہیں آئیں ــــ "شاید" ــــ اُس نے پھر ایک بار اپنے جواب کو دہرا دیا ــــ اُسکے لہجہ میں تھکن کی چبھن تھی ــــ اُلجھے ہوئے راستوں کے مرکز پر کھڑے ہوئے انسان کے لیے حتمی فیصلے کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے ــــ چاہیں تو آپ اپنی پہلی بات کی صداقت پر زور دے سکتے ہیں ــــ اور اگر میں نہ چاہوں تو کیا تم مجھ پر جبر نہیں کرو گی ــــ نہیں کرونگی ــــ کیونکہ لفظوں پر سے میرا اعتبار اُٹھ چکا ہے ذرا سوچیئے تو ــــ لفظوں پر سے اعتبار اُٹھ جانے کے بعد کہنے یا جبر کرنے کے لیے باقی کیا رہ جاتا ہے۔

مزید بوڑھے سے اُلجھنے کی بجائے وہ خاموشی سے بند دریچہ کے پاس آکھڑی ہوئی ــــ مدتوں بعد اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دبی ہوئی سسکیوں اور لفظوں کے بوجھل پن سے اُسکا سینہ پھٹ جائیگا ــــ بے بسی کے عالم میں اُس نے یکبارگی اپنے دونوں ہاتھ بند دریچہ کی جانب بڑھا دیئے لیکن وہ دریچے تک پہونچنے سے پہلے ہی کٹی ہوئی شاخوں کی طرح نیچے گر گئے ــــ بے چینی کو حد سے سوا ہوتے دیکھ کر اُس نے اپنے آپ کو دریچے سے ہٹا کر مخملی صوفے پر گرا دیا ــــ کوشش کے

www.taemeernews.com

باوجود بھی اُسے یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ اُس نے کب ـــــ کیوں ؟ ـــــ اور کیسے اپنی ذات کے اندر کھلنے والے تمام تر حساس دریچوں کو مقفل کے اس دریچے کے ساتھ بند کر دیا تھا ۔ وہ سوچنے لگی شاید میں نے ان دریچوں کو ایک ایک کر کے بند کرنے میں مدتیں گزار دی تھیں ـــــ دھیرے دھیرے اُسے یاد آرہا تھا کہ ـــــ برسوں پہلے اس قتل گاہ میں بوڑھے کے ہاتھوں دھرتی کا بوجھ سہنے والی اس عظیم اور لافانی ہستی کا قتل ہوا تھا جسکی پاکیزگی کی زمانہ قسم کھاتا رہا ہے ـــــ اُسے مزید یاد آنے لگا کہ اس عظیم سانحہ کے بعد وہ اُس مقدس ہستی کے فنا کے منظر کو اپنی آنکھوں میں چھپائے مقتل کے اس دریچہ کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کے دریچوں کو بند کرتے ہوئے یہاں سے بہت دُور چلی گئی تھی ـــــ اُسکی تمام تر اُلجھی ہوئی سوچیں نقطۂ عروج پر پہونچکر بھٹکنے لگیں مگر ایسا کرنے کے بعد مجھے کیا ملا ـــــ کیا دریچوں کو بند کر کے میں اس طلاطم سے نجات پا سکی جس سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں نے یہ سارا ناٹک کیا تھا ۔ ناٹک ؟ ـــــ ہاں ناٹک ـــــ اپنے اندر کی بھڑکتی ہوئی آگ کو سرد کرنے سے پہلے دوسروں کی آگ میں جل مرنے کا دعویٰ کرنا ناٹک نہیں تو اور کیا ہے ـــــ اُس نے اپنے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا ـــــ

ـــــ اچانک دُور سے آتے ہوئے قدموں کی مانوس چاپ سے اُسکا دل دھڑکنے لگا اور کان بجنے لگے ـــــ وہ صوفے پر سنبھل کر بیٹھ گئی ـــــ شاید کوئی آرہا ہے ـــــ لیکن یہاں کون آسکتا ہے ـــــ وہی ہو سکتا ـــــ جو برسوں سے تمہارا پیچھا کر رہا ہے ـــــ مگر سوال تو یہ ہے کہ یہاں وہ کیسے آسکتا ہے ؟ کیوں نہیں آسکتا ؟ ـــــ جو زماں و مکاں کی قید سے آزاد ہو وہ کہیں بھی اور کسی بھی وقت آسکتا ہے ـــــ اُس نے اپنا پہلو بدلا ـــــ لیکن میں نے تو اپنی ذات کے تمام تر دریچوں کو بند کر رکھا ہے ـــــ اور میں یہ بھی اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ کمزور ہے ـــــ کمزوری کو طاقت کے پردے میں چھپا کر جینے والا مجھ تک پہونچنے کے لیے میری ذات کے بند دریچوں کو توڑنے کا آزار نہیں سہہ سکتا ـــــ اسی لیے تو دھرتی کا بوجھ سہنے والی وہ عظیم ہستی اپنے لافانی وجود کو کمزوری کے پردے میں چھپا کر اس صدیوں پرانی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھ گئی تھی ـــــ

اُدنھ اچھا ـــــ اگر یہ سچ ہے تو پھر تمہیں قدموں کی اس مانوس چاپ کا ہمیشہ انتظار کیوں رہتا ہے ـــــ انتظار ! ـــــ یہ تو میں خود بھی نہیں جانتی ـــــ مخملی صوفے پر سناٹے چبھنے لگے تو وہ وہاں سے اُٹھ کر [illegible] پہ دراز ہوگئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی لیکن نیند اُسکی جلتی ہوئی آنکھوں سے

www.taemeernews.com

کوسوں دور تھی ـــــ بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے وہ سوچنے لگی ـــــ اگر میں اپنا منتخب کردہ راستہ بدل دوں تو کیسا رہے گا ؟ ـــــ یہ سوال آج پہلی بار اُسکے ذہن میں اُبھر کر ہلچل مچا رہا تھا۔ ایک بار ـــــ صرف ایک بار ـــــ اگر میں اُن مانوس قدموں کے لیے اپنی ذات کے بند دریچوں کو کھول دوں تو اسمیں کیا بُرائی ہے ـــــ بند دریچوں پر دی جانیوالی دستک پر کان دھرنے والا اچھائی اور بُرائی کی الجھن میں نہیں پڑتا اگر ایسا ممکن ہوتا تو شاید دھرتی کا بوجھ سہنے والی وہ عظیم ہستی اس قتل گاہ کی ـــــ خیر جانے دو ـــــ لٹکتے ہوئے سوچ کو ہاتھ میں لے کر جلتی بجھتی ہوئی روشنی سے اپنی دُکھتی ہوئی آنکھوں کو سیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگی ۔ دریچوں کے کھلنے سے ایسا کونسا طوفان آجائے گا ـــــ طوفان آئے گا یا نہیں ـــــ اور اگر آئے گا تو اپنے ساتھ اپنے دامن میں تباہی و بربادی لائے گا یا نہیں ـــــ یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب قبل از وقت کوئی نہیں دے سکتا ـــــ ان سوالوں کے جواب پانے کے لیے تو تجربے کی بنجر زمین سے گزرنا پڑتا ہے ـــــ یوں ہی سہی ـــــ ایک بار میں اس تجربے سے گزرنا چاہتی ہوں ـــــ شاید اسطرح میری جلتی ہوئی آنکھوں کو نیند آجائے ـــــ

صبح کی سفیدی کو نمودار ہوتا دیکھکر وہ اپنے بستر سے ایک مصمّم ارادے کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی اور آگے بڑھکر دریچے کو کھولنے کی کوشش کرنے لگی ـــــ اس کوشش کے دوران اس کے ہاتھ مسلسل کانپ رہے تھے یہ دریچہ میں کیوں کھول رہی ہوں ـــــ کیا میں نہیں جانتی کہ یہ دھرتی کا بوجھ سہنے والی اُس عظیم اور لافانی ہستی کے قتل کا واحد چشم دید گواہ ہے اُس عظیم سانحہ کے بعد بند کیے جانیوالے اس دریچہ کو کھولنے کی کوشش کرنا کیا اِس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ میں اندر کے تلاطم کو مٹانے کے لیے اُس عظیم سانحہ کی نفی کرنا چاہتی ہوں ـــــ کیوں ؟ ـــــ کیوں کر رہی ہوں میں یہ سب کچھ ـــــ کیا مجھ سے پہلے والوں نے بھی یہ سب کچھ کیا تھا ـــــ یقیناً کیا ہوگا ـــــ ورنہ وہ لافانی ہستی اس قتل گاہ کی بھینٹ کیوں چڑھتی تو کیا اپنے اندر کے تلاطم سے نجات پانے کے لیے یہ سب کچھ کرنا روایت بن چکی ہے ۔ کیا یہ سب کچھ حق بجانب ہے ـــــ اسی کشمکش کے درمیان دریچہ کھل گیا ۔ اور وہ تھوڑی دیر کے لیے سب کچھ بھول کر دریچے کے باہر کی دنیا میں جھانکنے لگی وہاں چہروں کا ہجوم حالت سفر میں لفظوں کا آزار سہتا ہوا کارواں در کارواں گزرا چلا جارہا تھا ـــــ کچھ دیر بعد وہ بیزاری کا احساس لیئے دریچہ سے ہٹ کر

www.taemeernews.com

الماری کے قریب آکھڑی ہوئی ـــــ لکڑی کی سیاہ الماری کے مختلف خانوں میں مختلف قسم کے لباس نیم کے سوکھے ہوئے پتوں پر رکھے ہوئے تھے۔ اُن ملبوسات میں سے اُسے ایک شوخ رنگ کا بھڑکیلا لباس بے حد پسند آیا۔ اپنے پسندیدہ لباس کو الماری سے نکال کر پہنتے ہوئے وہ سوچنے لگی ـــــ یہ لباس کس کا ہو سکتا ہے ـــــ جس وقت میں اس قتل گاہ سے بھاگی تھی اس وقت میری عمر اس بھڑکیلے لباس کو استعمال کرنے کے قابل نہیں تھی ـــــ تو کیا یہ لباس اُس عظیم ہستی کا ـــــ خیر ہوگا کچھ ـــــ لباس زیب تن کرنے کے بعد اپنے بکھرے ہوئے خشک بالوں کو خوبصورت ڈھنگ سے سنوار کر دریچہ میں پھر ایک بار آکھڑی ہوئی ـــــ کوئی ادھر آتا کیوں نہیں ـــــ کوئی سے تمہارا کیا مطلب ہے ـــــ تمہیں تو صرف اُن مخصوص قدموں کا انتظار ہے ـــــ جو برسوں سے تمہارا پیچھا کر رہے ہیں ـــــ ہاں میں ان ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی ـــــ ان میں سے کوئی "وہ" کیوں نہیں ـــــ اپنے اندر کی دنیا میں ہلچل مچانے والے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے اچانک وہ چونک پڑی ـــــ یہ کیا ـــــ یہ ـــــ یہ تو ـــــ ان ہی مانوس قدموں کی چاپ ہے جس کا مجھے انتظار تھا ـــــ شاید وہ آرہا ہے ـــــ سیڑھیوں کے آخری سرے سے قدموں کی مانوس چاپ اُبھر رہی تھی ـــــ جسے سنکر وہ اپنے دھڑکتے ہوئے دل کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگی ـــــ کہیں بیتے ہوئے دنوں کی طرح میرے کان دھوکہ تو نہیں کھا رہے ہیں ـــــ نہیں ـــــ یہ دھوکہ نہیں ہے ـــــ وہ آچکا ہے ـــــ سنو غور سے سننے کی کوشش کرو۔ وہ آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ ٹکٹکی باندھ کر وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگی ـــــ کچھ دیر جواب کا انتظار کرنے کے بعد دستک دینے والا دروازہ کھولکر اندر داخل ہو گیا ـــــ مگر یہ کیا؟ یہ کیا ہو گیا ـــــ یہ ـــــ یہ چہرہ تو ـــــ نہیں ـــــ ایسا نہیں ہو سکتا ـــــ یہ صرف میرا واہمہ ہے ـــــ وہ اپنی دھندلائی ہوئی آنکھوں کو صاف کر کے آنیوالے نوجوان کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔ اُسکا پورا وجود پسینہ میں بھیگ چکا تھا اور اُسکے ہونٹ لفظوں کے بوجھ سے کانپنے لگے تھے ـــــ اسکا چہرہ تو ہو بہو اُس بوڑھے کے چہرے جیسا ہے جس نے برسوں پہلے دھرتی کا بوجھ سمجھنے والی اُس عظیم اور لافانی ہستی کو اس مقتل کی دار پر چڑھا دیا تھا ـــــ اف! ـــــ تو کیا مانوس قدموں والا نوجوان "وہ" ہے ـــــ اگر یہ "وہ" ہے تو پھر میں کون ہوں ـــــ کیا میں ـــــ یا خدایا ـــــ کیا میں ہی وہ عظیم اور لافانی ہستی ہوں جس کا ہر صدی میں قتل کیا جاتا رہا ہے ـــــ اپنے لڑکھڑاتے ہوئے وجود کو سنبھالنے کے لیے اُس نے دریچے کے کھلے ہوئے پٹوں کا سہارا لینا چاہا لیکن کھلے ہوئے پٹ اسے سہارا دینے کی بجائے اسکے ہاتھوں کی جنبش سے ایک زوردار دھماکے کے ساتھ بند ہو گئے ـــــ

www.taemeernews.com

مس کوثر گل

منگل سوتر

"ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر طارق شاہ کی امریکہ سے واپسی" نیوز پیپر میں یہ خبر پڑھکر وہ چونک سی گئی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر وہ تفصیل پڑھنے لگی۔ پورے پندرہ سال بعد ڈاکٹر طارق شاہ اپنے وطن مستقل سکونت کیلئے واپس آرہے ہیں۔ انکی مستقل رہائش گاہ "شبستان" لال ٹیکری میں ہوگی۔ یہ خبر پڑھکر وہ مضطرب ہوگئی۔ اُف پندرہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا۔ اُسکے جذبات بھڑک اُٹھے وہی پندرہ سال پرانی ضدی بھولی جذباتی لڑکی اسکے اندر اُبھارنے لگی۔ شاہ سے ملنے کے لیے وہ بے کل ہوگئی اُس نے گلے کی پڑی منگل سوتر چوم لیا۔ فوراً اُسے اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اُوہو ـــــ! یہ کیا کیا میں نے۔ جذبات کی رو میں بہک کر کیا کیا سوچنے لگی ہے۔ اب میں وہ پندرہ سال پہلے کی الھڑ دوشیزہ تو نہیں رہی ایک باوقار شہر کی مشہور لیڈی ڈاکٹر ہوں مجھے یہ زیب نہیں دیتا۔۔۔۔ وقت کا احساس ہوتے ہی وہ اپنا بیگ کندھے سے لٹکائے خالہ بی کو خدا حافظ کہتی دواخانے کے لیے چل پڑی۔ مریضوں سے فارغ ہوکر وہ اپنے چیمبر میں آئی تو گزرے ہوئے ماہ و سال اُسکا پیچھا نہیں چھوڑ رہے پندرہ سال سے جو کسک اسکے دل میں تھی وہ آج جاگ اُٹھی تھی۔ طارق شاہ ـــ! میں نے کیا قصور کیا تھا جو اتنی بڑی سزا تم نے مجھے دی۔ ہاں ایک غلطی کہ میں تم سے محبت کر بیٹھی اور آج تک اُسی غلطی کی سزا بھگت رہی ہوں۔ میں جو ہمیشہ کی سیدھی سادھی پرخلوص بناوٹ سے دور رہنے والی لڑکی اپنے اُوپر زبردستی کا ایک خول چڑھائی ہوں۔ میرے ملنے جلنے والے میرے کولیگ اور سارے مریض میری بڑی عزت کرتے ہیں کیونکہ انکے نزدیک میں ایک مسیحا ہوں ہمیشہ مسکرانے والی خوش اخلاق نیک دل ڈاکٹر ہوں۔ میں نے اپنے اُوپر جو خول چڑھالیا ہے وہ سب کرنے تمہاری بے وفائی نے مجھے مجبور کیا ـــ ورنہ میں ایک آزاد پنچھی تھی ـــ!!

میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی پاپا کی خواہش تھی کہ انکی بیٹی ڈاکٹر بنے اور میں

www.taemeernews.com

انکی خواہش کا احترام کرتی ہوئی پڑھائی کے میدان میں آگے بڑھتی رہی تم میرے ہم محلہ تھے ہم دونوں اسکول سے کالج تک ایک ساتھ تھے تمہاری اور میری دوستی پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ویسے تمہارے ڈیڈی شہر کے مشہور اور امیر ترین لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے لیکن وہ غرور گھمنڈ سے کافی دور تھے۔ انکی تربیت کا اثر تھا کہ تم نے بھی بڑی مخلص و ملنسار پیاری طبیعت پائی تھی۔

ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ہم دونوں نے اچھی پوزیشن سے کامیاب کیا تھا۔ دونوں گھروں میں خوب خوشیاں منائی گئیں اور تم مزید پڑھنے کے لیے امریکہ جانے والے تھے۔ مجھے پتہ نہیں کچھ عجیب سا ہو رہا تھا میرا دل دھڑک رہا تھا جانے سے ایکدن قبل ہم دونوں باہر گھومنے کے لیے گئے۔ تم مجھے کوئی اچھا سا تحفہ دینا چاہتے تھے اور شہر کے مشہور جویلرس کی دوکان پر تم نے گاڑی روک دی۔ یہ کیا شاہ ——— ! یہاں کیوں لائے کیا یہاں تحفے ملتے ہیں میں نے حیران ہوتے پوچھا۔ ہاں تم مسکرائے میں چاہتا ہوں کہ کوئی گولڈ چیز تمہیں پیش کروں ویسے تو میری نظر میں تمہارے شایان شان کوئی چیز نہیں بچ رہی ہے۔ اور نہ بچی ابھی تک۔ اسلیے آج تم خود پسند کرلو . . . . نہیں شاہ تحفہ پسند کر کے نہیں لیا جاتا یہ تو دینے والے کی پسند پر منحصر ہوتا ہے۔ میرے کہنے پر اس نے کہا ٹھیک ہے۔ آؤ دیکھے۔ مابدولت خود پسند کرتے ہیں۔ اس نے ساری دوکان چھان ماری مگر اسے کوئی چیز پسند ہی نہ آئی اور میں اسکے باولے پن پر مسکراتی رہی ساتھ ہی شکر بھی ادا کرتی رہی کہ اچھا ہے اسے کوئی چیز پسند ہی نہ آئے۔ ابھی ہم واپسی کے لیے پلٹ ہی رہے تھے کہ نیا اسٹاک آگیا لیکن وہ بھی اسے پسند نہیں آیا۔ ابھی کچھ ڈبے باقی تھے دیکھنا اور وہ برابر دیکھ رہا تھا اچانک شاہ نے ایک ڈبہ کھول کر خوشی سے چیخا ونڈرفل ——— ارے یہ کیا ——— !! میری حالت عجیب تھی۔ نہایت ہی خوبصورت میں نے تو آج تک ایسا نازک اور پیارا ڈیزائن نہیں دیکھا تھا۔ شاہ تم ہوش میں تو ہو۔ یہ کیا ہے معلوم ——— ؟ میں نے غصہ سے کہا ہاں وہ بڑے اطمینان سے کہنے لگا۔ یہ کالی موتیوں میں گوندھا ایک چھوٹا سا ہار ہے اور مجھے یہ بھی معلوم کہ اسے شادی کے بعد عورتیں سہاگ کی نشانی کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ اتنا سب کچھ معلوم ہونے کے بعد بھی تم یہ لے رہے ہو۔ ارے بابا اس میں آخر خرابی کیا ہے۔ پسند آیا لے لیا وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ نہیں مجھے نہیں چاہیے۔ میں واپسی کے لیے پلٹ گئی اسکی عقل پر ماتم کرنا دل چاہ رہا تھا۔ پیک کیا ہوا ڈبہ تھمیں، ملا۔ اور ... گاڑی میں بیٹھتے ہوئے میں نے کہا۔ دیکھو ظہورہ ابھی کچھ دیر پہلے تم ہی نے تو کہا تھا کہ وہ تحفہ دینے والے کی پسند پہ ہوتا ہے"۔ تو بس یار میرا دل مت توڑو مجھے سچ سچ یہ اتنا بھایا کہ میں لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ وہ اتنے پیار سے کہہ رہا تھا کہ میں نرم پڑھ گئی۔ لیکن شاہ یہ تو سوچو لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے۔ وہ تو میں اب سمجھا۔ ایسا کرو

www.taemeernews.com

یہ تم رکھ چھوڑو بعد میں میں خود تمہیں امریکہ سے واپسی پر پہناؤنگا۔ اُسکی شرارت پر وہ لال ہو گئی۔

وہ ہمیشہ سے محبت کا مذاق اڑاتی محبت کرنے والوں پر لعن طعن کرتی۔ تعلیم کے نام پر جو لوگ عیش کرنے کلاسسوں سے غائب رہتے ہیں پکچر یا پھر کافی ہاؤس میں نظر آتے ہیں ایسے چھچھورے لوگوں سے وہ سخت نفرت کرتی تھی۔ جو تعلیم کے نام پر اپنا قیمتی وقت سیر و تفریح میں گزارتے یہ سب کہنے والی طہورہ علی ایک مضبوط کردار با اخلاق لڑکی نے یہ کہا۔ رنگ دکھا لیا تھا۔ لیکن وہ ان تمام گری ہوئی حرکات سے دور تھی۔ وہ ایک محتاط قسم کی لڑکی تھی ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتی۔ اتنا مضبوط ارادہ اعلیٰ کردار لڑکی ہر ایک سے دوستی کرتی تھی وہ لڑکوں سے بھی اسی طرح ملتی جسطرح لڑکیوں سے اُسکا خیال تھا کہ ہم اچھے تو سب اچھے' کیا مجال کہ کوئی غیر غلط بات کہہ دے۔ وہ سب سے بڑے خلوص اور فاصلہ رکھ کر ملتی۔ اسکی ان ہی باتوں نے اُسے کالج میں بڑی عزت بخشی اور طارق شاہ جو بچپن سے اسکا ساتھی تھا اُسکے مضبوط ارادے اور اعلیٰ کردار سے بہت متاثر ہوا اور اپنا دل دے بیٹھا۔ دھیمے سروں میں گفتگو کرنے والی اس لڑکی نے شاہ سے بھی پڑھائی سے ہٹکر کوئی اور بھی باتیں نہ کی اور نہ شاہ کی طبیعت گوارا کرتی۔ امریکہ جانے سے آٹھ دن پہلے اس نے اپنا دل کا حال بڑی صاف گوئی سے بڑے شائستہ انداز میں طہورہ کو سنا دیا تھا۔ اور جاتے وقت وہ صرف اتنا کہا کہ "میرا انتظار کرنا طہورہ۔ بولو کروگی نا وعدہ کرو" اور وہ اسکی شائستگی سے متاثر ہو کر صرف اتنا کہہ سکی کہ "شاہ میں تمہارا انتظار تمام عمر بھی کر سکتی ہوں"۔ "اوہ تھینکس سو مچ طہورہ علی" مجھے تمہارا یہ اقرار وہاں تنہائی میں سکون مہیا کرے گا۔ اور جلد واپس بھی لائے گا" اور سچ مچ وعدہ کی پابند لڑکی نے اپنا وعدہ وفا کیا لیکن شاہ اس سفر میں اسکا ساتھ نہ دے سکا وہ امریکہ کی رنگینیوں میں ایسا کھو گیا کہ اُسے اپنا وطن یاد آیا نہ اپنے ماں باپ اور نہ جان سے زیادہ عزیز طہورہ علی۔ سال گذر گئے' کچھ دن بعد سنا کہ شاہ نے وہاں امریکن لڑکی سے شادی کر لی۔ شاہ کے ڈیڈی کی کمر وقت سے پہلے ہی جھک گئی۔ اور اسکے ممی پاپا کو بیٹی کے غم نے جیتے جی مار ڈالا۔ اُسے چپ سی لگ گئی تھی اور وہ مقامی ہاسپٹل میں ڈیوٹی انجام دینے لگی۔ بظاہر وہ مطمئن نظر آتی لیکن شاہ کی یادوں سے بے چین کرتی۔ شاہ کے ڈیڈی اکثر اُس سے کہتے بیٹی۔ "بیٹیوں کے لیے ہم کیا کچھ نہیں کرتے رات کی نیند دن کا چین اپنی جان بھی انکے سکھ کے لیے تیاگ دینے تیار رہتے ہیں۔ انہیں ہر آرام مہیا کرتے ہیں اور یہ بچے بڑے ہو کر ہمیں کیا دیتے ہیں۔ صرف دکھ' نافرمانی ۔ "بیٹی میں نہایت شرمندہ ہوں اُس کمینے کی طرف سے۔ تمہیں ایک باپ ہونے کے ناطے یہ مشورہ ضرور دونگا کہ تم بھی اب اپنا گھر بسالو۔ اُسکا خیال دل سے نکال لو۔ وہ تو دغا باز نکلا تم اپنے جی کو روگ مت لگالو وہ اتنی یاس سے کہہ رہے تھے کہ طہورہ کا دل دکھی ہو گیا اور پھر اُس نے سبکی خوشیوں

www.taemeernews.com

کی خاطر اپنے اوپر ایک مصنوعی خول چڑھا لیا۔ ہر دم مسکراتے رہنا اور مریضوں کی خدمت کو شعار بنالیا۔ وہ بہت خوبصورت تھی اسکے لئے اچھے سے اچھے رشتے آئے تھے۔ مگر اس نے شادی سے انکار کر دیا اور اپنی زندگی یونہی بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔

شہر میں ہیضہ کی وبا پھیلی ہوئی تھی جسکی لپیٹ میں نئی پاپا اور شاہ کے ڈیڈی تینوں ہی آگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ شاید ان تینوں کی موت ایسی ہی لکھی تھی۔ وہ تن تنہا رہ گئی اس نے شاہ کو اطلاع بھی کروائی۔ کچھ دنوں بعد شاہ کا رسمی سا تعزیتی خط وصول ہوا۔ اُسے بہت دکھ پہنچا وہ تو اس کا انتظار کر رہی تھی شاہ سے جو وعدہ کر رکھا تھا وہ اب توڑنا بڑا کٹھن تھا بس وہ انتظار کی دہلیز پر بیٹھی ہوتی تھی کہ نہ جانے کدھر سے شاہ نکل آئے۔

مرنے سے پہلے شاہ کے ڈیڈی نے کچھ کاغذات اسکے حوالے کئے تھے جو گھر اور کاروبار کے تھے۔ یہ سب کچھ ڈیڈی نے طہورہ علی کے نام کر دیئے تھے۔ یہ باعظمت باہمت لڑکی انکے بیٹے کی پسند تھی۔ طہورہ نے لاکھ سمجھایا کہ ڈیڈی ان سب پر تو شاہ کا حق ہے لیکن وہ ایسے مخلص لڑکے سے بہت زیادہ دکھی تھے کہنے لگے نہیں بیٹی اب یہ سب کچھ تمہارا ہے۔ جہاں تم میری اتنی خدمت کرتے آئی ہو اب میرا یہ آخری بچنا بھی مان لو اور یہ سب چپ چاپ رکھ لو ایک باپ کا عطیہ سمجھ کر اور شادی کر لو بیٹی یوں کب تک اُس کم بخت کا انتظار کرو گی۔ میری بچی مجھے دیکھتا ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے بس اتنی سی بات مان لے بیٹا اور وہ آنکھیں صاف کرنے لگے۔ نہیں ڈیڈی نہیں وہ تڑپ اٹھی آپ مجھے خدارا شادی کے لیے مجبور مت کیجئے میں جس حال میں ہوں ٹھیک ہوں۔ گستاخی معاف۔! میں آپکا یہ حکم نہیں مان سکتی، مجھے ڈیڈی۔ ہاں البتہ آپکی جائیداد کے کاغذات بطورِ امانت میں رکھ لونگی زندگی کے کسی موڑ پر اگر شاہ سے ملاقات ہو جائے تو میں ان سب سے دستبردار ہو جاونگی اور پھر وہ وہاں رکی نہیں۔

ماں باپ کے انتقال کے بعد وہ اکیلی رہ گئی تھی اسلیے اُس نے دور کے رشتہ کی خالہ کو بلا لیا۔ بڑی پیاری شفیق سی ہستی تھی خالہ بی انہوں نے اُسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ اکثر اُسکے رشتہ داروں، دوست احباب، پڑوسیوں کی زبان پر بس یہی ہوتا کہ طہورہ آخر شادی کب کرنے کا ارادہ ہے؟ ڈاکٹر تو سب ہوتے ہیں کیا شادی نہیں کرتے۔ وہ جواب دیتے دیتے تھک سی گئی تھی آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ سب جان پہچان والوں سے دور چلی جائے۔

اسطرح وہ اور خالہ بی حیدرآباد آکر رہنے لگے۔ شہر کے مشہور ہاسپٹل عثمانیہ میں اُسے

www.taemeernews.com

جاب مل گیا۔ خالہ بی اکثر اُسے شادی کے لئے کہتی وہ ہر دفعہ ٹال جاتی طہورہ کی خوبصورتی دیکھ کر ہر ایک اُسے مانگتا اُسکے ساتھی ڈاکٹرز چاہتے کہ اُسکا حسین ساتھ ہو۔ سبکی نظروں کا وہ مفہوم سمجھتی اسلیے اُس نے ان سب باتوں سے چھٹکارا پانے کا حل ڈھونڈ لیا۔ اور نہایت خوبصورتی سے سب کو جھوٹ بولنے لگی کہ وہ شادی شدہ ہے۔ میاں باہر ہیں اور سب حیرت سے اُسکی سادگی کا جائزہ لیتے کہ آخر یہ کیسی شادی شدہ ہے۔ خالہ بی کی اپنے پڑوسیوں سے اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی وہ سب بھی طہورہ کے خواہشمند تھے۔ اور خالہ بی کو نہ چاہتے ہوئے بھی جھوٹ میں طہورہ کا شریک ہونا پڑتا وہ سب سے کہتی ہاں میری بھانجی شادی شدہ ہے شوہر غیر ملک میں نوکری کرتا ہے یہ سب کہتے اُنکی روح تک کانپ جاتی وہ حیرت سے طہورہ کو تکتی یہ عادی سی ہوگئی تھی بناوٹ کی زندگی کی۔ کتنی عظیم ہے یہ لڑکی جس نے صرف ایک وعدہ کی خاطر اپنی ساری زندگی کو داؤ پر لگادیا تھا آج اس دور میں ایسی باوفا لڑکیاں ملنا مشکل تھا اور یہ وفا نبھائی جارہی تھی۔

خالہ بی شاہ کو کوستے رہتی ایسا کیسا ہے آخر وہ ــــ جو ایک ہیرے کی قدر نہ کرسکا نامراد خدا تو اُس معصوم لڑکی کو دنیا کی ہر نعمت عطا کر اسکی خوشیاں اُسے واپس کردے۔

سب کی باتیں سن کر طہورہ نے ایک اٹل سا فیصلہ کرلیا آفس کو پندرہ دن کی رخصت بھجوادی اور کسی کو بتائے بنا وہ بھی جانے کی تیاری کرنے لگی صبح کی گاڑی سے اُسے جانا تھا اس نے پیسوں کے لئے بٹوری کھولی تو اُسکی نظر اُس ڈبہ پر جم گئی" اور غیر ارادی طور پر وہ ڈبہ کھولنے لگی۔ یہ کیا ــــ وہ تو ویسا ہی جامہ ہے جس حالت میں وہ مجھے دے گیا تھا۔ اُس نے بڑی احتیاط سے اُسے گلے میں ڈال لیا دو موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپکے اور بے ساختہ یہ شعر اُسکی زبان پر آگیا۔

وفا کے نام پہ لوٹا فریب دے دے کر
کسی نے خوب نبھائی ہے دوستی ہم سے

ساری رات وہ کروٹیں بدل کر گذار دی اس بے وفائی کی یاد تازہ ہوجاتی اُسکی باتوں کا رہ رہ کر خیال آجاتا۔ اُسکی باتیں کانوں میں گونجنے لگیں۔ "تمہارا یہ اقرار مجھے وہاں تنہائی میں یک گونہ سکون ضرور کرے گا اور واپس بھی لائے گا"۔

وہ نادان لڑکی مخمل سوتر پہن کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھ بیٹھی یہ جانتے بوجھتے کہ وہ تو پرایا ہے۔ اُس نے شاہ کی باتوں پر اعتبار کیا اور ساتھ جینے کا وعدہ کر بیٹھی تھی لیکن وہ اعتبار جھوٹا نکلا۔ صبح وہ بمبئی کے لیے روانہ ہوگئی۔ پندرہ دن تک وہ غائب رہی اسکی غیر حاضری میں سب اسکے ہی متعلق باتیں

www.taemeernews.com

کرنے لگے۔ سولہویں دن جب وہ آئی تو خالہ بی کا منہ تو حیرت سے کھلا رہ گیا اور آنکھیں پھٹی پڑی تھیں۔ پریشان آنکھیں اُسکا معاینہ کرنے لگی گرین کشمیری سِلک کی ساری وہ باندھ رکھی تھی۔ بالوں کو پونی کی شکل میں گرین فیتے میں باندھ رکھا تھا ہاتھوں میں، گرین نازک سی کانچ کی چوڑیاں اور گلے میں سکائی پوت لب خموش تھے۔ لیکن سوال کر رہے تھے کہ "بیٹی یہ تونے کیا کیا۔ ! مجھے بتائے بغیر تونے اتنا اہم کام بھی کرلیا۔ اِن سب خیالات کو منتشر کرتے ہوئے ایک مدھم آواز گونجی خالہ بی مجھے معلوم آپ کیا سوچ رہی ہیں لیکن یہ غلط ہے۔ میں نے شادی نہیں کی ــــ ! پھر یہ سب کیا ہے بیٹی اب بھی وہ پریشان تھی ــــ ؟ خالہ بی لوگوں کی ہوس بھری نگاہیں۔ محلے والوں کی باتیں سنکر مجھے محسوس ہوا کہ واقعی ہمارے سماج میں تن تنہا لڑکی کچھ نہیں کرسکتی اُسکے ساتھ بہت سے پرابلم رہتے ہیں۔ عورت کیلئے سائبان ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ اکیلی لڑکی کا جینا یہ سماج والے دوبھر کر دیتے ہیں۔ ان تمام مسائل سے پریشان ہوکر ہم حیدرآباد آئے تھے لیکن یہاں بھی وہی باتیں وہی نگاہیں۔ اسلیے خالہ بی میں نے آپکو جھوٹ بولنے پر مجبور کیا کہ میں شادی شدہ ہوں لیکن کسی طرح یہ لوگ مطمئن ہی نہ ہوئے شاید وہ سوچتے ہونگے کہ آخر یہ کیسی سہاگن ہے بیواؤں کی طرح تو اسلئے میں نے اپنے آپکو بدل ڈالا بہت سوچ سمجھ کر اُسکی آواز گلوگیر ہوگئی خالہ بی نے اس پاگل لڑکی کو جھٹ سے گلے لگا لیا وہ بھی اداس تھی۔

جب وہ ہاسپٹل گئی تو سب اُس کے تغیر پر حیران تھے وہ سارا دن چہکتی رہی آخر رہا نہ گیا تو مسز اوشا دیوی نے پوچھ ہی لیا۔ کیا بات ہے ڈاکٹر آج آپ بہت خوش نظر آرہی ہیں۔ اور پندرہ دن سے کہاں غائب تھیں۔ وہ جھوٹ کہنے سے کانپ گئی لیکن کہنا تو تھا۔ شرمانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے وہ بتانے لگی ڈاکٹر دیوی وہ میرے شوہر آئے ہوئے تھے پندرہ دن کی لیو پر اسلیئے اتنے دن گزرے اُوہ ــــ ! تو یہ بات تھی وہ مُسکرائی۔ بڑا پیارا ہے۔ کیا نیا ہے۔ ہاں۔ ہاں۔ ڈاکٹر یہ بھی" انہوں" نے ہی دلایا یہ کہتی ہوئی وہ ایکدم منحوس ہوگئی۔ مسز دیوی نے اُدھر دھیان ہی نہیں دیا وہ تعریفیں کرنے لگی۔ پھر تو یہ روز کا معمول ہوگیا کہ وہ اچھے اچھے ملبوسات میں نظر آتی ۔ ۔ ۔ ۔ وقت کے ساتھ وہ گریس فل خاتون بن گئی تھی بالوں میں چاندی کے تار بھی نظر آنے لگے تھے۔ ترقی کرتے کرتے وہ سیول سرجن کے عہدے پر پہنچ گئی تھی۔ اور وہ بہت کم شاہ کو یاد کرتی اُسکی عمر تو نہیں تھی جذباتی بننے کی۔

اور آج اُسکی آمد کی اطلاع نے پھر دل میں تلاطم برپا کر دیا۔ اُسکی بیوی ہوگی بچے ہونگے میں صرف اُس کی امانت واپس کرنے جاؤنگی پھر اُس کے بعد ہر رشتہ و ناطہ اُس سے توڑ لونگی فون کی گھنٹی نے اُسکے

www.taemeernews.com

خیالات کو منتشر کر دیا۔ ہلو طہورہ علی اسپیکنگ ۔۔! آپ کون بول رہے ہیں ۔۔؟ دوسری طرف سے جواب ملا
میں ڈاکٹر طارق شاہ بات کر رہا ہوں۔ اوہ۔ شاہ تم ہو۔ وہ حیرت سے چلائی ۔۔! ہاں ڈاکٹر طہورہ علی کچھ
شک ہے۔ اُسکے اُکھڑے لہجہ پر وہ لرز گئی۔ کیسے ہو شاہ ۔۔! وہ مدہم آواز میں پوچھنے لگی۔ بس جی رہے ہیں۔
تمہاری مسز اور بچّے کیسے ہیں۔ ویسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ یہی پوچھ بیٹھی تمہیں اس سے کیا طہورہ علی۔
تم سناؤ اچھی گزر رہی ہوگی تمہارے ہسبنڈ اور بچے کیسے ہیں۔ اُنکے پوچھنے پر تلملائی شاہ ـــــ یہ ۔ ۔ ۔ ۔
بس بس صفائی پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں طہورہ علی ۔ ۔ ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی جلدی بدل
جاؤگی بے وفا لڑکی اچھی نبھائی تم نے دوستی تم نے مجھے برباد کیا وفا کے نام پر۔ اور ڈیڈی کی ہمدردیوں کیساتھ
ہماری جائداد پر بھی قابض ہوگئی۔ یہ تم ہو کم ظرف لڑکی جس پر مجھے بڑا مان تھا خود کو بڑا پوز کرتی تھی۔ اوہ۔!
طارق شاہ بند کرو بکواس وہ اتنے زور سے گرجی کے چیمبر کے باہر جاتے ڈاکٹر کھنہ اندر جھانک کر دیکھنے لگے
اُسے کسی سے فون پر بات کرتے دیکھتے آگے بڑھ گئے ـــ شکایتیں تو مجھے تھی تم سے ظالم انسان۔ لیکن یہ کیا
اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے "۔

بس۔ بس میں خوب سمجھتا ہوں اب تم اپنی مجبوریاں ظاہر کروگی مجھے پھر سے پھانسنے کے لیے
شاہ پلیز زبان کو حد میں رکھکر بات کرو تو بہتر رہے گا ورنہ ۔ ۔ ۔ ورنہ کیا تم مجھے شوٹ کر دوگی۔ اگر تم
سامنے رہتے تو میں شوٹ کرنے سے بھی تمہیں دریغ نہیں کرتی۔ بے وفا لوگ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ مسز طہورہ علی
مسز نہیں مس طہورہ علی کہو ـــ وہ سختی سے کہہ اٹھی۔ اب چھپانے سے کیا فائدہ مسز طہورہ علی۔ مجھے تو پہلے بہت
پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا رمیش کے ذریعہ کہ تم نے شادی رچالی ان دنوں حیدرآباد میں بڑی ٹھاٹ سے
زندگی گذار رہی ہے۔ سچ عورت بے وفا ہوتی ہے۔ ڈائن ہوتی ہے دودھ پلانے والے کو ہی ڈس لیتی
ہے۔ شاہ بہت بول چکے اب میری بھی سنو وہ غصّہ سے بے قابو ہو رہی تھی۔ عورت اگر حالات سے مجبور
ہوکر شادی بھی کر لیتی ہے تو وہ بے وفا کہلاتی ہے۔ ڈائن کم ظرف جیسے "نا"مؤں سے اُسے نوازا جاتا ہے
اور مرد جو بیوی کے ہوتے ہوئے بھی دوسری شادی کر سکتا ہے رنگ رلیاں منا سکتا ہے کسی سے وعدہ کرکے
وعدہ خلافی کر سکتا ہے۔ عورتوں کے ساتھ پیار محبت کا جھوٹا ناٹک رچا سکتا ہے تو ایسے "مہان" بے وفا۔
دوغلے فریبی شخص کو تم کیا کہو گے طارق شاہ " باوفا " میں تمہیں پچھلی باتیں اور وعدے نہیں دہراؤنگی شاہ۔
صرف اتنا کہونگی کہ تمہیں زبردست غلط فہمی ہوئی ہے میں اب بھی مس طہورہ علی ہوں۔ تمہارا خیال دل میں لئے
میں کسی دوسرے کا گھر نہیں بسا سکتی تھی۔ لوگوں کی باتوں اور گندی نظروں سے بچنے کے لیے میں نے اپنے اوپر

www.taemeernews.com

ایک خول چڑھالیا تھا اپنے آپکو شادی شدہ ظاہر کرنے کیلئے میں نے تمہارا جاتے وقت دیا ہوا تحفہ منگل سوتر گلے میں ڈالے پھرتی ہوں۔

پورے پندرہ سال۔۔۔ میں نے تمہارا انتظار کیا۔ لیکن آج تم نے مجھے بے وفا کا طعنہ دے کر پندرہ سال کے طویل انتظار کو ختم کر دیا ظالم شخص۔ چلو اچھا ہی ہوا۔ میں نے ہی بیوقوفی کی اور میں ہی نادان تھی جو تمہاری سرشت میں پائی جانے والی بے وفائی کو نہ سمجھ سکی۔ وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہنے لگی۔ میں آج تمہارے گھر آرہی ہوں تمہاری جائداد تمہیں مبارک ہو۔ کہے ڈاکٹر شاہ اور اس نے غصے سے ٹیلی فون پٹک دیا۔

جب وہ تیار ہو کر کاغذات لئے "شبستان" پہنچی تو شاہ کو لان ہی میں پایا۔ قریب ہی ایک نازک سی شلوار شرٹ دوپٹہ میں ملبوس خاتون بھی بیٹھی ہوئی تھیں شاید یہ اسکی امریکن بیوی تھی۔ وہ ایک منٹ کے لئے ٹھٹکی۔ ارے آؤ۔ آؤ۔۔۔ تم طہورہ علی ہونا۔۔۔! وہ خاتون مسکراتے آگے بڑھی۔

اوہ۔۔۔! یہ تو میرا نام بھی جانتی ہے ۔ اسکا مطلب شاہ نے سب کچھ بتا دیا۔ آؤ طہورہ۔۔۔ شاہ نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ڈاکٹر طارق شاہ میں بیٹھنے کے لئے نہیں آئی ہوں۔ میں تمہاری امانت تمہیں سونپنے آئی ہوں۔ یہ لو تمہاری جائیداد کے کاغذات۔۔۔ میں نے یہ سب تمہارے نام منتقل کر دیا ہے۔ ان سب پر تمہارا صرف تمہارا حق ہے۔ ڈیڈی نے تمہاری بے اعتنائی سے تنگ آکر یہ سب میرے نام کیا تھا لیکن ڈاکٹر طارق شاہ۔۔۔ میں اتنی کم ظرف و خود غرض نہیں ہوں کہ تمہارا حق تلف کروں مبارک یہ سب تمہیں تمہاری جائداد تمہارا بنک بیلنس تمہارا بنگلہ۔ یہ سارے کاغذات میں بہت تھک چکی ہوں تمہاری امانتوں کی حفاظت کرتے کرتے شاہ ایک ٹک اس باوفا و وفاپرست۔ مخلص لڑکی کے گلے میں پڑے منگل سوتر کو تک رہا تھا۔ بیٹھو تو سہی طہورہ۔ خاتون نے اپنا نرم و ملائم ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ نہیں مسز شاہ میں یہاں صرف اپنے اوپر رکھا قرض اتارنے آئی ہوں جو مجھ پر ایک بوجھ سے کم نہ تھا۔ تو مسز شاہ۔۔۔! او طہورہ تم اتنی تکلف سے کیوں میرا نام لے رہی ہو۔ تمہارے اور میرے درمیان دوستی کا رشتہ تو اب بھی باقی ہے وہ نہایت دکھ سے کہہ رہا تھا۔ یہ فون والا شاہ تو نہیں لگ رہا تھا جو شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔ ڈاکٹر طارق شاہ وہ اپنے لہجے کی تلخی کو برقرار رکھے ہی کہہ رہی تھی میرے اور تمہارے درمیان جو پاک دوستی و محبت کا رشتہ تھا وہ تو اب تک بھی میں نے قائم رکھا تھا جسے قائم رکھنے کیلئے میری ذات ٹوٹ پھوٹ گئی ایک وعدہ پندرہ سال پہلے میں نے تم سے کیا تھا کہ " تمہارا انتظار کرونگی " بس اسی انتظار کے سہارے میں آج تک تیار رہی تھی۔ لیکن تم نے مجھ پر بھروسہ نہیں کیا اور فون پر بہت کچھ بول چکے۔ میں

www.taemeernews.com

صرف اتنا کہنے یہاں تک آئی تھی کہ آج سے ہمارا تمہارا ہر رشتہ ختم۔ اب تم مجھے فون کرنے کی اور ملنے کی زحمت نہ کرنا۔ تمہیں تمہارا گھر اتنی پیاری بیوی اور بچے مبارک اچھا تو میں چلی وہ واپسی کے لیے پلٹی۔ شاہ کی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔ تم بہت عظیم ہو طہورہ میں نے ہاسپٹل سے تمہارا گھر کا پتہ لیکر گھر گیا۔ وہاں خالہ بی سے ساری حقیقت آشکار ہو گئی۔ تم بہت گریٹ ہو دوست میں نے تمہاری قدر نہ کر سکا۔ مجھے معاف کر دینا طہورہ ــــ بولو تم نے معاف کیا نا۔ وہ گیٹ کے پاس رکی اور غصے سے کہنے لگی نہیں ــــ کبھی نہیں شاہ۔ میں نے معاف نہیں کیا۔ کیا معاف کر دینے سے میرے قیمتی ماہ و سال واپس آ سکتے ہیں۔ یا میرے عزیز مخلص بہتیرے مجھے مل سکتی ہیں اور وہ گیٹ سے باہر نکل گئی۔ مسز شاہ طہورہ علی کو دیکھتی۔ نہی آنکھوں میں آنسو لئے وہ مشرقی شاہکار کو لبھائے اپنی آنکھوں میں سوچنے لگی "یہ ہی ہے مشرقی بیٹی جس نے ایک بت کی عبادت کی حد تک پوجا کی۔ لیکن اس وفا کی دیوی کی ساری ریاضت بیکار گئی اسکی پندرہ سال تپسیا ناکام ہو گئی اگر میں شاہ کے راستے میں نہ آتی تو آج یہ مسز شاہ کے روپ میں ہوتی وہ اس باہمت لڑکی کو داد دینے لگی جس نے طویل عرصہ کسی کا انتظار کیا نہایت تحمل سے وعدہ وفا کرتی رہی یہی مشرقی عورتوں کی انفرادیت ہے جو مغرب میں نہیں ملتی۔ تعریف کے قابل ہو تم طہورہ علی۔

صبح ہی صبح خالہ بی نے آکر اسے جگایا۔ بیٹی تمہارا فون ہے کوئی سیریس کیس معلوم ہوتا ہے۔ گھبرائی ہوئی آواز سے تو یہی پتہ چلتا ہے۔ اس نے دوڑ کر ریسیور کان سے لگا لیا۔ ہیلو ڈاکٹر طہورہ علی ہوں ــ اکون ــ! مسز شاہ ــــ کیوں یاد کیا مجھے۔ نہیں مسز شاہ میں نہیں آ سکتی آپ اسے سمجھائیے پلیز۔ میں کیا کروں اگر اسکی حالت خراب ہے تو شہر میں بہت سے ڈاکٹرز ہیں انکی خدمات حاصل کیجئے۔ میں فرشتہ نہیں ہوں کہ انہیں بچالوں نہیں ــــ میں نے کہدیا نا میں نہیں آ سکتی۔ وہ تلخی سے کہتی فون رکھ دی۔ نہایت کٹھور بن گئی تھی۔ کیا ہوا بیٹی شاہ کو طہورہ سے خالہ بی نے پوچھا۔ کیا ہوتا خالہ بی ہارٹ اسپشلسٹ ڈاکٹر طارق شاہ کو ہارٹ اٹیک ہوا وہ موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ وہ بے حسی سے کہتے ہوئے آگے بڑھی اور تم نہیں جاؤگی خالہ بی اسکی بے حسی پر تلملا گئی۔ نہیں خالہ بی اب رکھا ہی کیا ہے وہ روندھی آواز پر قابو پاکر کہنے لگی تھی کہ آندھی طوفان کی طرح مسز شاہ آئی اور اس سے لپٹ گئی پلیز طہورہ میری بہن صرف پانچ منٹ کے واسطے چلو اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ میں نہیں آ سکتی مسز شاہ اب مجھے مجبور مت کیجیے پھر آکر مجھے کیا کرنا ہے ڈاکٹر کفہ کو بلا لیجئے۔ مسز شاہ اسکے آگے ہاتھ جوڑتی کہنے لگی طہورہ میرے ــ! اتنی سنگدل مت بنو۔ ڈاکٹرز کی پوری ٹیم وہاں موجود ہے۔ تم ڈاکٹر کی حیثیت سے نہیں ایک دوست کی حیثیت سے

www.taemeernews.com

چلو وہ آخری سانسیں گن رہا ہے اور چاہتا ہے کہ جب تک تم سے وہ معافی نہ مانگ لے گا تب تک اسکا دم بھی آسانی سے نہیں نکلے گا۔ اسکا بوجھ ہلکا کر دو۔ نہیں شاہ مجھے مجبورت کیجے گا نہیں طہورہ نہیں چلنا ہوگا شاہ کی گذشتہ دوستی کا واسطہ میرے سہاگ کو بچالو اور انہیں معاف کر دو گریٹ سیسٹر وہ زار و قطار رونے لگی رات سے ہی انکی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ بار بار وہ تمہیں پکار رہے تھے۔ ہمیشہ کی ہمدرد طہورہ علی کا دل ریزہ ریزہ ہو گیا۔ یا خدا تو شاہ کو بچا اور وہ مسز شاہ کے ساتھ ہو گئی۔ شاہ برسوں کا بیمار لگ رہا تھا اسکی آنکھیں گیٹ پر لگی تھیں گویا کہہ رہی ہو۔

ع بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

مسز شاہ کے ساتھ وہ شاہ تک پہنچ گئی۔ بس چند منٹ کی اسکی زندگی تھی طہورہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے انسان کتنا بے بس ہوتا ہے وہ سوچنے لگی۔

طہورہ پلیز مجھے معاف کر دو وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔ میں بہت ظالم ہوں۔ دیکھو میرے بعد بھی اپنے پرانے دوستی کے رشتے کو قائم رکھنا۔ جینوا (مسز مریم شاہ) کا خیال رکھنا اس نے میرے خاطر اپنا مذہب تبدیل کیا اور ہمراہ چلی آئی۔ اس کا یہاں صرف تمہارے سوا کوئی نہیں ہے۔ بولو مجھے معاف کیا سچے دل سے وہ اتنا لاچار لگ رہا تھا کہ طہورہ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ شاہ میں پہلے کب تم سے ناراض تھی وہ تو دکھاوا تھا تمہارے اور مریم کے درمیان سے نکل جانے کا میرا تو یہ حال تھا شاہ تمہارے امریکہ جانے کے بعد

زندگانی میں کچھ رہا بھی نہیں
اور مرنے کا حوصلہ بھی نہیں
دل کا اصرار ہے تجھے بھولوں
یہ مگر دل کا فیصلہ بھی نہیں

میں نے تمہیں معاف کیا شاہ جہاں میں نے پندرہ سال تمہارے انتظار میں گزارے تھے اب زندگی کے باقی دن مریم اور بچوں کے ساتھ گزار دونگی یہ کہہ رہا شاہ اور وہ حسرت سے اسے تکنے لگا۔ میں ہارا تم جیتی طہورہ میری دوست۔ اس نے باری باری سب پر نظر ڈالی اور وہ بلند آواز جس میں لڑکھڑاہٹ بھی شامل تھی کلمہ پڑھنے لگا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور شاہ کا سر کلمہ طیب ختم ہوتے ہی ایک طرف ڈھلک گیا۔

طہورہ علی کے پندرہ سال سے روکے ہوئے آنسوں کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ مسز شاہ کو گلے لگائے

www.taemeernews.com

سدھارے جا رہی تھی مسز شاہ کو اس فرشتہ صفت عورت پر اب بھی حیرت تھی اسکی وفا پر انکو ناز تھا۔
چند محلے کی بزرگ خواتین نے مسز شاہ کی چوڑیاں توڑ دی گلے میں پڑا کالی پوت بھی اتار دیا گیا۔ طاہرہ نے بھی خوشی سے اپنی چوڑیاں توڑ دی منگل سوتر اتار کر اپنے پرس میں ڈال لیا۔ آج اسکی محبت بیوہ ہوگئی تھی۔ اس نے آخری نظر شاہ کے جسد خاکی پر ڈالی شاہ جاتے جاتے بھی تم مجھے جینوا اور بچوں کی شکل میں تحفے دے گئے۔ مجھ پر اور ایک بڑی ذمہ داری ڈال گئے۔ اور میری یہ کوشش ہوگی تمہارے دیے ہوئے تحفوں کی حفاظت اپنی آخری سانس تک کروں گی جسطرح اب تک پہلے تحفہ کی کرتی آئی ہوں اور اسکی ہچکیاں بند ہوگئیں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ۔

اری ھانت آٹوموبائیلس

20-A/503-1-5، اشوک مارکٹ

فیل خانہ۔ حیدرآباد۔ 500012

www.taemeernews.com

شاہین فاطمہ

جادوئی ڈنڈا

آج ۱۲ ربیع الاول کی تعطیل ہے اس دن خواتین "میلاد النبی" کے جلسے میں شریک ہونا باعثِ ثواب سمجھتی ہیں۔ چاہے وہ تقریروں پر دھیان دیں یا نہ دیں۔ وہاں اپنے پرانے قصے کہانیاں، اگر لڑکیاں پسند آجائیں تو اُن کے گھر کا پتہ وغیرہ کا کام اُن کی نظر میں ثوابِ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو خواتین دنیا داری سے بے بہرہ ہوتی ہیں وہ اپنے بازو بیٹھی خواتین سے کہتی ہیں! سنئے بہو خاموشی سے تقاریر سنئے! کیا گھروں کی باتیں لیے بیٹھی ہو۔ آج کے مقدس دن تو نیکیاں کما لو۔ کیا پتہ آئندہ سال ہم دنیا میں رہیں نہ رہیں۔ مذہبی محفل ہے درود شریف پڑھو۔ اتنی ساری باتیں سننے کے بعد بھی وہ خواتین جلسہ گاہ کے احاطے میں دور جاکر بیٹھ جاتی ہیں اور وہی باتوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مخاطب ہوتی ہیں "بہن!" — اب تک۔ اشتہارات کی شادی میں تو گول مال ہو ہی رہا تھا — لیکن اب جگہ جگہ جو شادی کے پیامات کے ادارے کھولے گئے ہیں، وہاں تو جادوئی کرشمہ کے ذریعہ زندگیاں تباہ کی جارہی ہیں۔ وہاں ادارے میں ایک آدھ اَن پڑھ عمر رسیدہ شخص آہستہ آہستہ اپنا ایک خاص حلقہ بنالیتا ہے جہاں اکثر برقعے پوش خواتین اپنی جوان لڑکیوں کو اُن کی شہرت سن کر لے جاتی ہیں۔

ایسے ہی ایک ادارہ جو "ڈنڈے شاہ بابا" کے نام سے مشہور ہے! سرکار! شاہ بابا! میری لڑکی لاکھ عمر کے بیسویں زینے پر ہے۔ مگر پھر بھی کوئی پیام جم نہیں رہا ہے۔ آپ خود دیکھ رہے ہیں۔ میری بیٹی چندے آفتاب و نیک سیرت ہے۔ حضور! غریب بیوہ ہوں میرے سر کا بابا! سر کا بوجھ اُتار دیں تو آپ جو بھی نذرانہ کہیں گے دونگی۔ شاہ بابا نقلی جلال سے دونوں کو ایک کونے میں بیٹھ جانے کا حکم دیتے ہیں۔ بازو رکھی سلیٹ قلم ہاتھ میں لیتے اور کچھ ہندسے

www.taemeernews.com

ادھر ادھر بکھتے جمع تفریق کر کے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہی دونوں سہم جاتے ہیں۔ اماں! ڈرو نہیں خدا اس لڑکی کو اپنے فضل و کرم سے بچالے۔ اس پر تو ایک افضل نامی جن سوار ہے۔ جب تک وہ جن اس پر حاوی رہے گا۔ اس کی نسبت طے نہ ہوگی۔ وہ غریب ماں بلبلاتی ہے۔ آہ وزاری کرتی ہے۔ میری پھول جیسی بچی کو بچا لیجئے! سرکار! وہ جن کو شیشے میں بند کر دیجئے! حضور! سرکار شاہ بابا! کچھ بھی کیجئے۔ میں زندگی بھر آپ کی غلام بن جاؤں گی۔ اب خود ہی غریب بیوہ ماں شیشے میں بند کر دی گئی۔

اس طرح اس غریب کے سات سو روپے بٹور لیے گئے۔ میں بھی اپنی بھتیجی کے ساتھ تھی۔ پھر کیا ہوا۔ بھابی ہوتا کیا! بس سنتے جاؤ اور دل تھام لو۔ خرچ بتا دیا گیا کہ اتارے کا سامان 200 روپیہ 500 سو محنتانہ! کوئی سامان بھی باہر سے نہیں منگوایا گیا۔ بلکہ تیری ٹوپی میرے سر، میری ٹوپی تیرے سر والا محاورہ صادق آگیا۔ ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا۔ شیشہ، نہاون اور اتارے وغیرہ کی تمام چیزیں بڑے سلیقے سے ایک کشتی میں رکھ دی جاتی ہیں۔ نہاون نہادیں۔ اتارا کروا کر لڑکی کو ہال میں سب کے سامنے کھلے بال کورا کپڑا اڑھا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ محفل سماع سجائی جاتی ہے۔ دھیرے دھیرے قدم جماتے ہوئے شاہ بابا! جادوئی "ڈنڈا" ہاتھ میں لیے بگلا بھگت بنے مسند پر آ بیٹھتے ہیں۔ اہل محفل باادب کھڑے ہوتے ہیں، لیکن آپ ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی قوالوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہیں۔

شاہ بابا ڈنڈا زمین پر دوشیزہ کے سامنے جم کر مارتے ہیں۔ لڑکی سہم کر چادر کے اندر ہی اندر ڈر سے ہاتھ نیچے اوپر کرتی ہے۔ شاہ بابا نے کہا! دیکھو! دیکھو! جن آگیا۔ جلدی جلدی زبان اور ہونٹ ہلاتے جاتے ہیں۔ دیکھنے والے جو جاہیں الفاظ دماغ شریف میں لا سکتے ہیں! بھابی کیا بتاؤں! مجھے تو یوں سنے آرہا تھا کہ "ڈنڈا پھیروں اور کسکو گھیروں" وہ جن افضل بابا کا نام لیکر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دوہائی دینے لگے لوبان کا دھواں ہال میں بھر گیا۔ تماشہ بین کھانسنے لگے۔ لیکن شاہ بابا اپنا کرشمہ دکھانے میں محو! آپ نیک جن ہیں تو اس غریب نوخیز کلی کے جسم سے تتلی بن کر فوراً اس شیشے میں آرام سے رہیں جب تک کہ میں آپ کے لیے کسی دوسری معصوم کلی کا انتظام کر دوں۔ ساتھ ہی بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہیں، چلا گیا! پھنس گیا۔ آخر کتنا شریف لنفس ہے۔

www.taemeernews.com

فوراً بڑھ کر آپ خود ہی شیشے کا ڈاٹ بند کر دیتے ہیں۔ دیکھا! سب نے! یہ تتلی کے روپ میں کیسا آ گیا! واہ واہ! کیا! اللہ تیری شانِ مبارک ہے۔ نوکر کو حکم دیتے فلاں شیشم کے صندوق میں رکھ دو اور ہم خود رات کے 2 بجے عنبر پیٹھ کے شمشان گھاٹ میں دفن کر آئیں گے۔

لڑکی گرمی سے بے دم ہو کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ لیکن لوگ سمجھتے ہیں کہ شاہ بابا کے یہ سب کرشمے ہیں۔ بھائی! میرے تو "ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے" یقین جانو شاہ بابا! پانی دم کرتے بڑبڑاتے اور اُسکے منہ پر پانی سے مارتے جاتے۔ پانی کا مار پڑنے پر وہ ہڑبڑا کر ہوش میں آ جاتی ہے۔ اونچے آواز سے شاہ بابا کہنے لگتے ہیں۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! دیکھو تو بیٹیا پر سے جن نکل گیا۔ کھیل دیکھنے والوں نے نعرے لگائے شاہ بابا! زندہ باد! شاہ بابا زندہ باد۔ اب شاہ بابا خوشی سے ہاتھ میں ڈنڈا لیے ناچ اٹھے اور قوالوں کو اشارہ کیا خوب محفل جمی واہ! واہ ہوئی!

دوسرا چکر شادی کا ہے۔ ان لوگوں کے پاس اغوا کیے ہوئے لڑکے لڑکیاں یہیں بچپن بتا کر جوان ہو جاتے ہیں۔ اور گھٹ گھٹ کر گذارتے ہیں۔ ان کے لیے اس قید خانے سے نجات کا کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا۔

غریب بیوہ ماں کو چند لڑکوں کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ کئی تصویروں میں سے ایک پسند آ جاتی ہے۔ لڑکے کے والدین کی صورت میں اُن ہی کے پاس معمر عمر کے مرد و عورت، ساس سسر بنائے جاتے ہیں۔ بیوہ ماں اُن کو اپنے بیٹے خاندان کے دوسرے افراد سے ملاقات کرواتی ہے۔ ٹوئیوٹا نک لڑکے کو گیرج کا مالک بھی بتا دیا جاتا ہے۔ خاندان والے سب ہی خوش کہ خدا کے فضل و کرم سے زندگی کا ہم سفر مل گیا۔ بڑی مشکل سے جوڑے کے بارہ[12] ہزار روپیہ قبول کئے جاتے ہیں۔ لڑکی کا مہر 2 ہزار طے ہوا۔ اُلٹا لڑکے والوں نے کہا ہم جلدی میں کچھ تیاری نہیں کر سکتے۔ آپ ہی یہ دو ہزار روپیہ لے لیں اور دلہن کا جوڑا زیور تیار کر لو۔ لڑکی کے خاندان والوں کو اعتراض ہوتا ہے لیکن بیوہ ماں سب کو سمجھاتی ہے کہ ایک تو لڑکی اثرات میں مبتلا تھی۔ وہ تو شاہ بابا کی مہربانی ہوتی ورنہ یہ پیغام بھی گھٹ نہ ہو پاتا۔ دولہا میکانک ہے۔ خدا نے چاہا تو وہ سعودی عربیہ بھی چلا جائے گا۔

اسی طرح سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔ یہ تمام کرشمے۔ شاہ بابا صاحب اپنے جادوئی ڈنڈے کے بل پر کرایہ کے ٹٹوؤں کی طرح ہانکتے اور سب کو اُلو بناتے رہتے ہیں۔

مقررہ تاریخ پر بعد مغرب سب رشتے داروں کے درمیان عقد مسعود خیر سے انجام پاجاتا ہے دلہن

کو بابل کے گھر سے نیک تمنائیں و دعائیں دیتے ہوئے بیوہ ماں ننھے جادوئی ساس، سسر اور دولہا کے ساتھ وداع کر دیتے ہیں۔

یا اللہ ! بھابی ! سنتے تھے کہ چھوٹے بچوں کا اغوا کر کے انہیں معذور بنا کر بھیک مانگنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ انہیں کئی ویران کھنڈر میں مکان بنا کر رکھا جاتا ہے ہاں ! ہاں ! سنو ! کسی نہ کسی طرح سے یہ چالباز کمانے کے نئے نئے طریقے ایجاد کر لیتے ہیں۔ سنتے سنتے تو ہوش اڑ جاتیں۔ بس اب سنو نا ! بھابی اچھا ! اچھا۔

بالکل اسی طرح کے ایک بڑے مکان میں دلہن کو ساس چند روایتی رسومات ادا کر کے استقبال کرتی ہوئی بہت احتیاط سے ایک سجے سجائے کمرے میں پہنچا دیتی ہے (عارفی دولہا میاں) بہت ہی شاہانہ انداز سے شیروانی چوڑی دار پاجامہ پہنے، چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لئے قدم رنجا ہوتے ہیں۔ اور ادھر ادھر دیکھ کر دلہن کے قریب بیٹھ جاتے ہیں بڑی انسیت و خلوص سے کہا : میں آپکا اسم گرامی پوچھ سکتا ہوں جی ! جی ! میرا نام نیلو۔ بولیے ! بولیے ! ہونٹوں سے بیشرما کیسا جی ! میرا نام نیلوفر ہے۔ کیا ! آپ شہزادی نیلوفر تو نہیں۔ نہیں۔ نہیں جی ! ہم تو ایک غریب بیوہ ماں کی بیٹی ہیں۔ سنیئے جی ! نیلوفر ہم آپکو بلکل پسند کر چکے۔ آپ کی آواز کتنی میٹھی سُریلی ہے۔ ہم چہرہ تو ابھی نہیں دیکھ پائے تو جی ! ہم آپ کا گھونگھٹ اٹھا ہی دیتے ہیں ! سبحان اللہ کیا ! پیارا پری جمال معصوم چہرہ ہے فرشتے بھی تمہیں دیکھیں تو اُن کا ایمان ڈگمگا جائے ! اُف خدا نے تمہیں بہت ہی فرصت سے بنایا ہوگا۔ ہم بہت خوش قسمت ہیں۔ لیکن نیلو ! جی ! کیا بتائیں جو آپ ہمیں مل گئیں۔ ساتھ ہی ہم بہت مجبور و لاچار بھی ہیں ہم چاہتے ہوئے بھی تمہیں سچا پیار نہیں دے پائیں گے۔ چلو ! یہاں سے اس بناوٹی دنیا اور بھیڑیے نما انسانوں کے جنگل سے دور ایک ارمانوں کا محل بنا لیں، محل نہ سہی جھونپڑی سہی کیا یہ ممکن ہوگا ! نیلوفر کہتی ہے۔ جب ہم آپ ملکر قدم اٹھائیں تو پتھر سے بھی پانی پیدا کر سکتے ہیں۔ شہزادی نیلو ! ہم نے سنا ہے کہ آپ ٹیچر ہیں ! ہاں ! نیلو ! آپ کو ہماری بات سُننی ہوگی ورنہ۔ ورنہ کیا ! خدا اگر کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو اپنے بعد شوہر کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔ آپ کتنی پیاری مجسم خلوص ہیں وہ اُسے اپنے آغوش محبت میں لینا ہی چاہتا تھا کہ بیل بجی ہے وہ فوراً اپنے ہوش و حواس پر قابو پا لیتا ہے اور یہ کہتے ہوئے چلا جاتا ہے کہ : آپ آرام کیجیے ہم ابھی شاہ بابا کے پاس سے آتے ہیں۔

مکان کے تہہ خانہ میں شاندار مسند پر ڈنڈے شاہ بابا حقّہ لئے بیٹھے۔ آؤ ! آؤ دولہا پاشاہ !

www.taemeernews.com

یا ! داستانِ حیات لے آئے ہو ۔ شاہ بابا ! خوش ہو کر' دلہن تو بہت ہی پیاری معصوم سی بھولی بھالی ہے!
بات تم ہمیشہ ہی کہتے آرہے ہو۔ نہیں شاہ بابا میں رب جلال کی قسم کھا کر کہہ رہا ہوں ۔ اچھا تو دولہا میاں کے
نا میں فتور آگیا ہے ۔ اماں یار ! مجھے یہ عشق و محبت بالکل پسند نہیں۔ دیکھو بیٹے تم جانتے ہو ہم اس
خانے میں تمہیں ابھی زندہ دفن کر سکتے ہیں ہاں ۔ یہ بات گرہ میں باندھ لو ۔ بس !

ابھی فون آیا ہے آج رات ۹ بجے بنجارہ ہل روڈ نمبر 12 پر تم کو ایک گرین فیٹ کار کھڑی نظر آئے گی وہ صاحب اپنی بیوی سے تمہاری ملاقات کروائیں گے ۔ ؛ شاہ بابا ! ہم نے ابھی رات کا کھانا نہیں کھایا ! کوئی پروا کی بات نہیں ! وہاں تمہیں بنگلے میں کھانے کے ساتھ عیش کا سارا سامان بھی مل جائے گا ۔ 2 ہزار کا چیک لانا نہ بھولنا ! ٹھیک صبح کے چار بجے تک تم یہاں موجود رہو گے ۔ اور ہاں عدالت میں صبح ۱۱ بجے جھوٹی گواہی دینے جانا بھی ہے ! شاہ بابا ہمیں آرام کا موقع دیجئے ! ہماری دلہن ! تمہاری دلہن جائے بھاڑ میں سات آٹھ ماہ کے بعد تو کسی بہانے بھی بدنام کر کے چھوڑنا ہے ۔ پھر کیوں یہ دلہن کی رٹ ! ورنہ پھر دوسری جگہ سے جوڑے کی رقم کیوں کر حاصل کر سکتے ہیں۔

ہم کئی دلہنوں کو چھوڑ چکے لیکن اب یہ دلہن کو شجاع ! پاگل مت بنو ! یہ دھندا ہے ۔ تم تو بیٹے ! بڑے دل پھینک بن گئے ہو ۔ جی کچھ نہیں چلے گا تم میرے جال میں ہو ۔ بار بار تمہیں جیل سے رہا کروایا ۔ تمہارے سب لوگوں کی پرورش کرتا ہوں ۔ یہ کیا کچھ کم میرا احسان ہے ۔ نہیں شاہ بابا ! ہمیں معاف کر دو ۔ ہم اب بنگلے کو جائیں گے اور نہ کوئی جھوٹی گواہی آئندہ دیں گے ۔ خوب سوچ لو انجام اچھا نہ ہوگا ۔ وہ آخر مجبور ہو کر اس مقررہ مقام پر چل دیا ۔ وہ صاحب ! اُسے ایک عالی شان عمارت میں لے گئے ۔ وہاں ایک حسین و جمیل حسینہ جو شب خوابی کے لباس میں کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی ۔ فوراً وہ اس کا ہاتھ تھامے سیڑھیاں طے کر کے کمرے میں داخل ہو گئی ۔

وہ چار بجے ٹھیک وہاں سے تھکا ماندہ تہہ خانے میں آیا ' 2 ہزار کا چک شاہ بابا کو دیا اور وہیں سو گیا ۔ پھر 6 بجے صبح شاہ بابا کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ انہوں نے کہا ! فلاں فلاں ہوٹلوں سے روز کا راتب 150 روپیہ جا کر لاؤ ۔ ہاں یاد رہے ۔ دلہن کو کوئی بات معلوم نہ ہونے پائے ۔ وہ عدالت سے واپس 2 بجے آکر آیا اور شاہ بابا کے ساتھ کھانا کھایا ! انہوں نے کہا ! دلہن کو نشہ آور چائے پلا دو ' تم کو تو ویسے تجربہ ہے ہی ۔ وہ تو ان کی نظروں میں چابی کا کھلونا تھا ۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ہر کام دل پر جبر کر کے کر گذرتا ۔ رات دلہن کے کمرے میں گذار اور چار بجے صبح دوسرے کمرے میں

www.taemeernews.com

آکر سوگیا۔ صبح کو شجاع نے رات کی کہانی سنادی! وہ مسکراتے رہے۔ بس چھ سات ماہ یوں ہی دلہن سے ملتے رہو۔ بنک سے روپیہ لانے کہو! اس درمیان بات صرف روکھی سوکھی اور تیز ہو۔ ایک لفظ بھی محبت کا ادا نہ کرنا۔ اچھا! شاہ بابا چند دن سے نیلوفر کی طبیعت خراب تھی اس نے اپنی نقلی ساس سے کہا۔ وہ اُسے دواخانہ لے گئی۔ معائنہ کے بعد اسے بتایا گیا کہ وہ ماں بننے والی ہے وہ تو خوشی سے جھوم اٹھی۔ وہ بھولی بھالی یہ بناوٹی دنیا کی اونچ نیچ کیا جانے! نقلی ساس نے شاہ بابا سے تمام باتیں بتادیں وہ خوش ہو گئے اور مکار نظروں سے شجاع کو دیکھنے لگے، اسی لمحہ انہوں نے اُسے تمام باتیں سمجھا دیں۔ وہ سیدھا سرشام نیلوفر کے کمرے میں گیا۔ نیلوفر! آج میں نے شاہ بابا سے تمہارے متعلق جو بھی باتیں سنی ہیں وہ کوئی شریف بہو بیٹی کے لیے زیب نہیں دیتیں۔ میں نے تم پر بھروسہ کیا تھا کہ وقت کا انتظار کرو۔ لیکن تم نے چھ ماہ کے اندر ہی وہ گل کھلائے۔ تم اسکول سے کہاں! کہاں! جاتی ہو۔ کانپتے ہوئے جی میں تو کہیں بھی نہیں جاتی۔ سیدھا اسکول سے گھر آتی ہوں پھر آج دیر کیوں ہوئی! تم تو روز ہی دیر سے گھر آتی ہو۔ یہ غلط ہے کہ ہم تمہارے بچے کے باپ نہیں نہ معلوم تم نے یہ گناہ کس کا ہمارے سر تھوپ دیا! تم نے ہمیں دھوکہ دیا۔ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ ہمیں یاد آرہا ہے ایک بار آپ ہمارے ساتھ بہت خوشی سے چائے پیے تھے اور - - - - - یہ سب تمہارا بہتان ہے۔ میری نظروں سے دور ہوجاؤ۔ ہم تمہیں طلاق دیدیں گے۔ تب تم آرام سے ڈیوٹی کرنا۔ جس کے گناہ کی نشانی اپنی کوک میں پال رہی ہو وہی تمہارا ساتھ دے گا۔ یہ کہکر شجاع نے نیلوفر کو لات سے مارا جسکی وجہ سے وہ سیڑیوں سے لڑکھڑاتے ہوئے نیچے جا گری۔ اور بے ہوش ہو گئی۔ ساس قریب آئی۔ شجاع بہت پریشان ہو گیا۔ اس کا ضمیر ملامت کر رہا تھا۔ لیکن وہ تو شاہ بابا کے ہاتھوں کٹ پتلی بنا ہوا تھا۔ انسانی جذبات سے عاری گوشت کا بے جان لوتھڑا بن گیا تھا۔ وہ نیلوفر کے سامنے اس کے بھائی بہن والدین کے چہرے آجاتے جسکی وجہ سے وہ نیلوفر کے لیے کوئی نیک قدم اٹھا نا سکا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بچہ اُس کا اپنا ہے۔ اس الجھن میں تھا کہ بیل بجی اور وہ شاہ بابا کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور تمام حالات سے واقف کروایا! شاہ بابا نے اُس کو شاباشی دیتے ہوئے کہا! چلو منزل آہی گئی۔ تم! اب اطمینان سے کھاؤ پیو! جب تک وہ بالکل ٹھنڈی ہوجائے گی۔ خدا کا شکر ہے راستے کے سارے کانٹے ہٹ گئے! ہم کو تمہاری ہمت پر بڑا ناز ہے اسلیے ہی ہم ہر کام میں تمہیں کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ دولہے نواب! تم ہی حقیقت میں ہمارے جانشین بننے کے حق دار ہو۔ جاؤ ٹیکسی میں تمہاری امی کے ساتھ

www.taemeernews.com

نیلوفر کو دواخانہ بھیج دو ۔ شاہ بابا ! ایسا مت کیجئے ! ہمیں جانے دیجئے ! نہیں تم باہر انتظار کرنا ! تم اب کے اتنا کیوں پریشان ہو رہے ہو صاحبزادے ! ایک ہفتہ میں پھر دوسرا نقشہ فٹ کرتا ہوں ہمیں تو اب خوب تگڑے آسامی پر ہاتھ مارنا ہے۔ نہ شاہ بابا اب ہم تھک چکے ہیں وہ رونے لگتا ہے نیلوفر کو دواخانہ میں شریک کیا گیا ۔ لیکن ڈاکٹروں کے معائنہ کے بعد سب نے مایوسی کا اظہار کیا کہ لانے میں بہت دیر کر دی گئی ۔ زہر پورے جسم میں سرائیت کر گیا ہے۔ اب نیلوفر پر رحم کے آنسو بہانے والا کوئی نہ تھا ۔ اسکی عبرت ناک موت کی خبر اس کے خاندان کو دی گئی ۔

تب ہی شاہ بابا تہہ خانے سے چور دروازہ بند کر کے مکان کے دالان میں ہری ٹوپی اور بگلے کی طرح سفید لباس میں مسند پر تعزیت کے طور پر غم کی مورت بنے' نیچی نظریں کئے بیٹھے لڑکی والوں کی دل جوئی کر رہے تھے ۔بیوہ ماں اپنی پیاری نوجوان معصوم بیٹی کی لاش کو دیکھ بار بار بے ہوش ہو رہی تھی شجاع ! ایک گوشہ میں سکتے کے عالم میں بیٹھا تھا - ہر ایک کی آنکھ سے اس دل فریب خوبصورت جوان دلہن کی موت پر اشک بہہ رہے تھے ۔

ادھر شاہ بابا پھر ! شجاع کے ذریعہ جادوئی ڈنڈے کا کرشمہ دکھانے کے لیے تانے بانے بُن رہے تھے کہ بیل بجی ! دروازہ کھولتے ہی پولیس یہ کہتے ہوئے داخل ہوئی شجاع نامی شخص کو لڑکی کے قتل کے شبہ میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ شجاع ! پریشان ہو کر کہہ اٹھا میں کچھ نہیں جانتا ۔ یہ میرے والد! شاہ بابا ہیں ۔ بس ! میں ان ہی کی ایما پر ان سے اشاروں پر کام کرنے پر مجبور تھا ۔ شاہ بابا! پھٹی ! پھٹی آنکھوں سے شجاع اور سب لوگوں کو طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے بے ہوش ہو گئے ۔ پولیس نے دونوں کو گرفتار کر لیا ۔

آفسیٹ پرنٹنگ

رنگین فائن فوٹو آفسیٹ طباعت کے لئے
ہر قسم کے پوسٹرز، لیبل، کیلنڈر، پمفلٹ
و کتابوں کے لئے ماہر پرنٹرز کی
نگرانی میں **معیاری کام**

فون :- ۴۷۱۱۴۴

مینیجر سیاست آفسیٹ پریس ، جواہر لال نہرو روڈ۔ حیدر آباد ۱

www.taemeernews.com

بتول سجاد

سانولا گلاب

اکثر بہنوں اور عام طور پر آجکل کی لڑکیوں کی طرح نفیسہ کو بھی اپنے کم رنگ ہونے کا شدت سے احساس تھا۔ نفیسہ ہمیشہ اپنی کم رنگی کی وجہ کڑھا کرتی وہ سوچتی خدا نے اسے رنگ دینے میں کنجوسی کیوں کی ہوگی وہ ہمیشہ اسی بات پر کڑھا کرتی اور جب یہ سنتی کہ لوگ کسی لڑکی کی خوبصورتی کا ذکر کرتے ہیں تو پہلے ہی رنگ کا ذکر کیا جاتا ہے جیسے کتنی گوری چٹی اور خوبصورت تھی وہ لڑکی رنگ تو ایسے تھا جیسے گلاب کا پھول۔ کبھی ناک نقشے کو اہمیت دی ہی نہیں جاتی۔ یہ سن سن کر وہ اداس ہو جاتی اور سمجھنے لگتی کہ اب وہ کسی کو بھی اپنی طرف مائل نہیں کرسکتی سب کچھ ہوتے ہوے بھی رنگ کی کمی نے اسے احساس کمتری میں مبتلا کر دیا تھا۔ مگر اس کی سہیلیاں کہا کرتیں باوجود رنگ کے کمی کے وہ خوبصورت دکھنے لگی ہے۔ مگر اُسے تو پتہ تھا کہ بغیر سرخ وہ سپید رنگ کے کوئی خوبصورت نہیں کہلاتا۔ مگر آج انور نے اُس سے کیا کہہ دیا ؟ یہ سوچ سوچ کر دل پہلی بار خوشی سے اچھل رہا تھا۔ آج پہلی بار کسی نے اُس سے پیار بھری باتیں کیں اور پیار بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ جب سے وہ ثمینہ کے گھر سے لوٹی تھی دل میں انجانی سی ہلچل مچی ہوئی تھی اور دل کی ہر دھڑکن انور کی کہی ہوئی باتیں دہرا رہی تھی۔

یہ سب باتیں وہ بھابی سے کہنے کے لئے بے چین تھی وہ بار بار اُسکے کمرے کے سامنے سے گزر جاتی ادھر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا جا رہا تھا۔ بھابی بھی ہمیشہ اُس کی رازدار ہی بنی رہی وہ ثمینہ کے پاس گئی تھی خالد بھائی کے ساتھ وہاں انور بھی موجود تھا۔ اتنے میں بھابی کمرے میں آگئی۔ اسکو بے تاب دیکھ کر بولیں" اوھو۔ بڑی خوش نظر آرہی ہو ؟ کیا زعفران کا کھیت دیکھ آئی ہو ؟ کیوں ؟ "نہیں بھابی" وہ اٹھلا کر بولی۔" اچھا چل جلدی سے کہہ دے جو کہنا ہے۔ ورنہ مجھے فرصت نہیں ملتی۔ دیکھ تو میرا پیٹ کیسا پھولا جا رہا ہے۔ بھابی جانتی تھیں وہ جلد ہی سب کچھ کہہ دونگی اُسے بھابی کی یہی ادا تو پسند تھی " امی سے نہ کہنا بھابی " اچھا بابا نہ کہونگی جلدی کہہ دے بھابی میرے سامنے آکر بیٹھ گئی میں اُنکے قریب کھسک آئی " بھابی آج ثمینہ کے پاس انور سے ملاقات ہوئی

www.taemeernews.com

خالد بھائی کے دوست جو بڑے دلکش بڑے دلچسپ انسان ہیں میں اور ثمینہ باغ میں ہاسنگھار کے پیڑ تلے بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ خالد بھائی اور انور وہاں آگئے اور کہنے لگے " اوہو اس دوپہر میں چڑیلیں میٹنگ کر رہی ہیں یہ سن کر انور نے زبردست قہقہہ لگایا۔ ثمینہ نے فوراً جواب دیا "جی ہاں تبھی تو شیطان صدارت کو آگئے" ہم ہنستے وقت میری نظر انور پر پڑی تو میں اسکے مردانہ حسن کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ دراز قد۔ دلکش چہرہ اور بڑی بڑی مونچھیں ہنستے وقت خوبصورت دانت چمک اٹھتے " اچھا تو ہم شیطان لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں خالد بھائی بھی ہنسنے لگے نفیسہ انھیں لو یہ جے پور یونیورسٹی کے لکچرار ہیں بڑی مدت بعد چھٹی لے کر آئے ہیں بڑے دلچسپ انسان ہیں اور تم بھی تو ٹیچر ہو دونوں کا موضوع گفتگو ایک ہی ہے نا۔ میں نے سہمی ہوئی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھا وہ مسکراتی ہوئی اٹھی۔ " موسم اچھا ہو گیا ہے چائے کے ساتھ کچھ تلن کے لیے کہہ آؤں۔ کیوں نفیسہ ؟ اس عرصے میں انور برابر مجھے دلچسپی سے گھورے جا رہا تھا اور چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ میں بے حد گھبراتی ہوئی تھی۔ پہلی بار کسی غیر مرد کا سامنا ہوا تھا میں اسوقت صندلی رنگ کی ساڑی ویسا ہی بلاؤز پہنی ہوئی تھی۔ کانوں میں بڑی بڑی بالیاں جھول رہی تھی۔ اب دیکھئے ثمینہ تو چلی گئی ہیں، میں تنہا رہ گئی وہ حیرانی سے مجھے دیکھے جا رہا تھا اور میں حیران تھی کہ وہ مجھ میں کیا عجیب چیز دیکھ رہا تھا۔ مارے گھبراہٹ کے میں کھڑی ہو گئی اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی قریب کے گلاب کے پودوں کے جھرمٹ میں چھپ گئی، اللہ یہ خالد بھائی کدھر چلے گئے دل سے آواز آئی سانس بری طرح پھول رہی تھی وہ بھی دھیرے دھیرے چلتا ہوا وہاں آگیا اور ایک ادا سے جھک کر اس نے پیار بھری آواز میں کہا"۔ کہیں اس گلاب کے کانٹے چبھ جائیں گے چلئے باہر آجائیے اسکا ہاتھ میری طرف بڑھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اسکا ہاتھ تھام لیا اور کھڑی ہو گئی میں جان گئی وہ مجھے بنا رہا ہے یہ کیا کہہ دیا انور نے مجھے گلاب کیسے کہہ دیا۔ کیا خوبی نظر آئی مجھ میں ؟ ضرور وہ مذاق کر رہا ہے وہ بڑی معصومیت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ادھر آجائیں وہاں کانٹے بہت ہیں۔ میں آگے بڑھی تو میرا دامن کانٹوں میں الجھ گیا میں گھبراہٹ میں دامن نکالنے لگی مگر وہ وہاں آگیا اور صندلی دامن الجھے کانٹوں کو نکالنے لگا اور مسکرا کر زیر لب کہہ رہا تھا " کانٹے یہ دامن اسی طرح صدا الجھا رہے اور میں اسی بہانے آپکو دیکھا کروں، پھر قریب کا صندلی گلاب توڑا اور اس نے میرے بالوں میں اڑسا دیا میں شرم سے پسینہ پسینہ ہوتی جا رہی تھی آپ بھی اس گلاب کی طرح حسین ہیں مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا بھابی اللہ میں یہ جانتی نہ تھی کہ میری جیسی کم رنگ کی لڑکی کو کوئی پسند بھی کرے گا جب پودوں سے باہر آئی تو سہمی ہوئی آواز میں پوچھا"۔ کوئی سن نہ لے ایسا نہ کہئے میں اس قابل کہاں ہوں گلاب کی سی خوبیاں مجھ میں کہاں

www.taemeernews.com

میرا رنگ تو کافی کم ہے۔ اس پر وہ ہنسنے لگا "کونسی خوبی نہیں ہے آپ میں۔ آپ نے تو ہم پر جادو کر دیا ہے ہم کو تو سانولا رنگ ہی بے حد پسند ہے۔ اس لئے ہم آپکو سانولا گلاب کہیں گے" جی ... وہ میرے ساتھ ہارسنگھار کے درخت تک آتا جب میں نے اپنا عکس حوض کے پانی میں دیکھا تو حیران رہ گئی واقعی اسوقت میں کافی حسین لگ رہی تھی اور صندلی گلاب میرے روکھے بالوں میں کافی جچ رہا تھا اور وہ میرے اطراف گھومتا ہوا میری تعریف کئے جا رہا تھا۔ میری آنکھوں کی میرے ہونٹوں کی اور کہتا تھا مجھے ستواں ناک بے حد پسند ہے میرے پاس رنگ کی اہمیت نہیں اصل چیز ناک نقشہ ہوتا ہے یہ سن کر مجھ میں خود اعتمادی پیدا ہوتی گئی اتنے میں ثمینہ اور خالہ بھائی آگئے اور میں ادھر بھاگ آئی۔ بھابی سب کچھ سن کر مسکرا کر بولی دیکھا کتنوں کو سانولا رنگ پسند ہوتا ہے تو ناحق کڑھتی رہتی تھی چلو اچھا ہوا تم کو انور جیسا نوجوان مل گیا اب تو اپنے رنگ پر اعتراض نہیں ہے نا تجھ کو بھابی" وہ شرما کر بھابی کی گود میں جھک گئی اطراف خوشی کی شہنائیاں گونجنے لگیں اور انور بھونرے کی طرح گنگناتا ہوا ـــ اس بنگلے کے آس پاس گھومتا محسوس ہوا وہ تو اب اسکے نس نس میں بس چکا تھا اور اب وہ سر اٹھا کر فخر سے چلنے کی ہمت رکھتی تھی سانولے گلاب کے خطاب نے اسے خود اعتمادی کی سیڑھی پر چڑھا دیا تھا بس اسکی دنیا بس چکی تھی اس ایک جملے سے ـــــ

نیک تمناؤں کے ساتھ۔

منجانب

۱۹۴۷ء

پردیسی گروپ

مرکزی آفس ۔ حیدر گوڑہ ۔ حیدرآباد

www.taemeernews.com

عابدہ محبوب

انمول رشتے

بمبئی سے حیدرآباد آنیوالی ٹرین اپنے وقت پر آچکی تھی۔ جاڑوں کے دن تھے اور بلا کی سردی تھی۔ ہر طرف کہرا چھایا ہوا تھا۔ میں ریلوے اسٹیشن سے باہر آیا تو پتہ چلا کہ بمبئی سے حیدرآباد آنا آسان ہے مگر ریلوے اسٹیشن سے گھر جانا بہت مشکل ہے۔ وقت اور موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ٹیکسی اور آٹو ڈرائیورز من مانے کرایہ مانگ رہے تھے۔ اور دینے والے انہیں منہ مانگا کرایہ دیکر گھروں کو جا رہے تھے۔

اتفاق سے میرے ساتھ باہر کا چھوٹا سا سوٹ کیس اور بریف کیس تھا جسے دیکھ کر آٹو ڈرائیورز مجھے بھی، عرب امارات سے اپنے وطن واپس آنیوالا ہندوستانی سمجھ رہے تھے۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ میں آفس کے سرکاری کام سے بمبئی گیا تھا۔ وہ میٹر سے دو روپیئے زائد پر بھی راضی نہ تھے دوگنا اور سہ گنا کرایہ مانگ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ میں کسی آٹو ڈرائیور سے معقول کرایہ پر بات کرتا۔ ادھیڑ عمر کا ایک غریب رکشا راں میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ دبلا پتلا کمزور جسم والا آدمی جس کے سر اور گردن پر پھٹا ہوا رومال لپٹا ہوا تھا سردی کے سبب اس نے اپنے دونوں بازو سینے کے اطراف لپیٹ رکھے تھے۔

"کہاں جانا ہے صاحب" ؟

میں نے اسکا سراپا دیکھ لیا تھا ٹالنے کو کہا

www.taemeernews.com

"مجھے بہت دور جانا ہے بھئی اور ذرا جلدی جانا ہے چار مینار کے قریب!"
"تو چلئے نا صاحب!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا
"کیا لوگے؟" میں نے رسماً پوچھ لیا
"جو آپ دیں گے!"
"پھر بھی تم کہو... تم کیا لوگے؟"
"آپ اپنے گھر پہلی بار تھوڑی جا رہے ہیں صاحب؟ جو ہمیشہ دیتے ہیں، بس وہی دیدیں"!
"میں ہمیشہ چار روپئے دیتا ہوں۔ مگر آج تم کو پانچ روپے دونگا۔ چلوگے!" میں نے اُسے یونہی کہدیا۔
"آپکی مرضی صاحب" وہ خلاف اُمید تیار ہو گیا۔ کمی بیشی کی بات تک نہ کی۔ اب میرے لئے بھی انکار ناممکن تھا۔ یوں بھی میرے دس پندرہ منٹ اسٹیشن پر ہی گذر چکے تھے۔ مزید وقت گنوانا مناسب نہ تھا۔ میں یہہ سوچ کر رکشا میں بیٹھ گیا کہ چلو "ٹھیک" "ٹھیک" گھر پہنچ ہی جاؤنگا۔
مگر میں یہہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ کمزور ادھیڑ عمر کا رکشا راں جوانوں کی سی تیز رفتار سے رکشا چلا رہا تھا۔ سڑک پر ٹرافک بھی برائے نام تھی پھر سردی ہوا جان لیوا تھی۔
پندرہ منٹ میں رکشا راں نے مجھے گھر پہنچا دیا۔ رکشا سے اتر کر میں نے دیکھا کہ وہ ہانپ رہا تھا۔ سردی اور کہر کے باوجود اسکے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں! میرا دل پسیج گیا۔ کوٹ کے اوپری جیب سے دس روپئے کا نوٹ نکال کر میں نے اُسے دیا۔
"آپکی سواری، پہلی سواری تھی صاحب! وہ پھٹے رومال سے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولا "میرے پاس چھٹے پیسے نہیں ہیں!"
"پیسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے! یہہ نوٹ تم رکھ لو!
"نوٹ رکھ لو؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا "مگر آپ نے تو پانچ روپئے میں بات کی تھی"!
"ہاں کی تھی! مگر میں یہہ نوٹ اپنی خوشی سے دے رہا ہوں تمہاری محنت کے لیے... رکھ لو!"
وہ دس کا نوٹ پکڑے یونہی کھڑا رہا
"اب کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے پوچھا "رکھ لو!"
وہ یکدم چونک پڑا اور مجھ پر دعاؤں کی بوچھار کر دی۔

www.taemeernews.com

بار بار آسمان کی طرف دیکھتا ہوا وہ نہ جانے کیا کیا دعائیں مجھے دیتا ہوا چلا گیا۔

ابھی میں گھر میں سب سے سلام، دُعا اور خیر خیریت ہی پوچھ رہا تھا کہ کال بیل کی آواز آئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ رکشا والا کھڑا ہوا ہے!

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں صاحب" "کہہ رہا تھا" میں آپکی امانت لوٹانے آیا ہوں!"

"امانت؟" میں نے حیرانی سے پوچھا "میری امانت؟"

"جی ہاں صاحب" وہ ایک سفید لفافہ میری نظروں کے سامنے لیے کہہ رہا تھا۔

"آپ کا یہ لفافہ نہ جانے کب میری رکشا میں گر گیا۔ آپکے دیئے ہوئے دس روپیے سیٹ کے نیچے رکھنے کے لیے میں نے جیسے ہی سیٹ ہٹانی چاہی آپکا یہ لفافہ سیٹ میں اٹکا ہوا مجھے ملا۔ کھولکر دیکھا تو اس میں پانچ سو روپیے تھے۔ میں سمجھ گیا یہ لفافہ ضرور آپکا ہوگا۔ اس لئے دینے چلا آیا۔ آپ روپیے دیکھ لیں!"

یکایک غیر ارادی طور پر میرا ہاتھ پتلون کی پچھلی جیب کی طرف گیا۔ جس میں میں نے پانچسو روپیے ایک سفید لفافے میں رکھے تھے۔ بے خبری میں وہ لفافہ گر گیا تھا۔

میں نے لفافہ لیکر دیکھا پانچ سو روپیے اس میں موجود تھے۔ غریب رکشا راں کی ایمانداری سے، میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے سفید لفافے سے پچاس روپیے کا ایک نوٹ نکال کر اسکی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے صاحب؟" وہ حیرانی سے پوچھنے لگا۔

"یہ ہے تمہاری ایمانداری کا انعام!" میں نے اُسے بتایا "لے لو!"

"نہیں صاحب نہیں!" وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "یہ میں نہیں لے سکتا!"

آپ نے محنت کا انعام دیا، میں نے لے لیا۔ یہ میں نہیں لونگا۔ ایمانداری کا انعام؟ ایمانداری کا کوئی انعام نہیں ہوتا صاحب! اسکا کوئی بدل نہیں ہے۔ یہ تو انمول ہے! مجھے معاف کرنا صاحب!"

میرے اصرار کے باوجود وہ برق رفتاری سے رکشا لئے چلا گیا اور میں نوٹ ہاتھ میں پکڑے رکشا راں کے فلسفے پر غور کرتا کھڑا رہ گیا۔!

www.taemeernews.com

افروز سعیدہ

خزاں رسیدہ

زمانے کے ستائے اور ٹھکرائے ہوئے، دکھوں کے سائے میں پلے ہوئے ٹوٹے پھوٹے لوگ یا تو محبت اور خلوص کے بھوکے ہوتے ہیں یا پھر نفرتوں اور انتقام کے جذبوں کا لاوا دل میں چھپائے جیتے رہتے ہیں اور کچھ نہ کرسکیں تو اپنے آپ سے بدلا لیتے ہیں۔ مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے زندگی کے زہر کو گھونٹ گھونٹ کر پیتے ہیں۔ شاید ایسے ہی لوگوں میں سے، نواز بھی تھا۔ اس کی زندگی کسی المئے سے کم نہ تھی۔

نواز میرے بچپن کا دوست تھا۔ میٹرک کے زمانے سے بی اے تک ہمارا ساتھ تھا۔ اتنے طویل عرصے میں، میں نے کبھی اسے دل کھول کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ہمیشہ کھویا کھویا اداس اداس اور خاموش رہتا۔ میں نے بارہا اسکی اداسی کا سبب پوچھا اسکے دکھوں کو بانٹنا چاہا لیکن اس نے ایک دن صرف اتنا کہا کہ میرے بارے میں سن کر تم کیا کروگے۔ تمہاری ماں کا سایہ تمہارے سر پر ہے تم خوش ہو۔ اپنے حال اور مستقبل سے مطمئن ہو تمہیں دیکھکر میں بھی خوش ہوتا ہوں بس۔ ـــــ

بی اے کا نتیجہ آنے سے پہلے اسے کویت میں۔ ملازمت مل گئی۔ اور وہ چلا گیا۔ جاتے وقت وہ اپنی ڈائری مجھے دے گیا ـــــ میں نے ایم اے میں داخلہ لے لیا۔ مصروفیت بڑھ گئی تھی۔ نواز بھی وہاں جاکر بہت مصروف ہو گیا تھا۔ دو چار مہینے میں ایک تفصیلی خط لکھ دیا کرتا۔ ایک عرصہ بعد مجھے اسکی ڈائری پڑھنے کا موقع ملا اسکی اداسیوں کا راز مجھ پر آشکار ہو رہا تھا۔

ایک ورق پر لکھا تھا

ماں بچپن ہی سے میں تمہاری محبت اور شفقت کے لیے تڑپتا اور ترستا رہا ہوں ابو کہا کرتے

www.taemeernews.com

ہیں جب میں تیسری کلاس میں تھا' تم - ہم سب کو چھوڑ کر تاروں کے دیس چلی گئیں اللہ میاں نے تمہیں اپنے پاس بلا لیا۔ تب سے میں ہمیشہ تاروں بھرے آسمان کو گھورتا رہتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہیں کسی تارے میں بیٹھی تم مجھے دیکھ رہی ہوگی۔ تمہاری تصویر ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہوں۔ کاش تم اپنے بیٹے کی حالت دیکھ سکیں۔ ابو بہت غصہ کرتے اور مجھے کوستے رہتے ہیں۔ پھوپی جان تو اور بھی سختی کرتی ہیں۔ کوئی بھی میرے کھانے اور کپڑے کا خیال رکھنے والا نہیں ہے۔ بیمار ہوتا ہوں تو کوئی میرے پاس نہیں بیٹھتا۔ کبھی کوئی دوست بیمار ہوتا ہے اور میں اسکی مزاج پرسی کیلئے جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں اسکی ماں کسقدر پریشان رہتی ہے۔ تیمار داری میں رات دن ایک کر دیتی ہے صحت کے لیے دعائیں کرتے اسکے ہونٹ نہیں سوکھتے۔ اس ماں کو دیکھ کر مجھے بری طرح اپنی محرومی کا احساس ہونے لگتا ہے اور میرے آگے دکھوں اور اذیتوں کے لامتناہی سلسلے پھیل جاتے ہیں۔ ماموں جان اور خالہ جان تو بھولے سے بھی ہمارے گھر نہیں آتے۔ میں اپنا دکھ درد کسی سے نہیں کہہ سکتا کوئی میرا ہمدرد نہیں ہے۔ زندگی کے ہر قدم پر تمہاری کمی محسوس کرتا ہوں ماں۔

ایک اور ورق پر لکھا تھا۔

دیکھو ماں اب میں بی اے کے امتحان کی تیاری کر رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ میں اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤں گا لیکن سوچتا ہوں میری کامیابی پر خوش ہونے والا کون ہے۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے پڑھائی چھوڑ دوں کسی سے بات نہ کروں کوئی کام نہ کروں گھر کے کسی کونے میں منہ ڈھانکے پڑا رہوں میں کچھ بھی کروں تو کس کے لیے کروں کون ہے جو خوش ہو کر دعائیں دے مٹھائیاں بانٹے۔ میرے دوست جب بھی امتحان میں پاس ہوتے ہیں انکے والدین جشن مناتے بڑی بڑی تقاریب کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور میں دل میں اداسی آنکھوں میں حیرانی لئے انکی خوشیوں میں شامل ہوتا ہوں۔ لیکن میرے اندر عجیب سی ہلچل پیدا ہو جاتی ہے اور میں اپنے آپ میں بٹنے لگتا ہوں۔ دل کرچی کرچی ہو جاتا اور درد کی لہریں میرے وجود کو گھیر لیتی ہیں۔ بس عجیب عجیب سی حرکتیں کرنے لگتا ہوں لوگ مجھے سنکی اور دیوانہ کہتے ہیں میں کیسے سمجھاؤں کہ میرے اندر کا بچہ ماں کے پیار بھرے اک لمس کے لیے مچل اٹھتا ہے — اس مقدس ہستی کو پکارنے کے لیے تڑپ اٹھتا ہے جسکے قدموں تلے جنت رکھی گئی ہے۔

کاش تم مجھے چھوڑ کر نہ جاتیں تو میں بھی ایک مکمل آدمی ہوتا۔ آج میں تمہارے بغیر ادھورا ہوں ماں

www.taemeernews.com

بالکل ادھورا ـــــ

نواز کی ڈائری میں آگے نہ پڑھ سکی جانے کتنی دیر سے میری آنکھوں سے گرم گرم پانی بہہ رہا تھا۔ میری آنکھیں جل رہی تھیں۔

ایک ہفتہ قبل نواز کا آخری خط ملا تھا۔

وہ ڈیڑھ ماہ کی چھٹی پر انڈیا آرہا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہاں ایک ایسی خاتون سے ملاقات ہوئی جو ہو بہو اسکی ماں سے ملتی جلتی ہے۔ وہ اسے جی بھر کر دیکھتا اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتا تھا دوسرے ہی دن وہ انڈیا جانے والی تھی۔ وہ کچھ خطوط اور کپڑے وغیرہ دینے کے بہانے اس سے دوبارہ ملا اور اب خاص طور پر اس سے ملنے کے لیے چھٹی لیکر آرہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ میں نے نواز کے گھر کے کئی چکر لگائے اسکے ابو فیاض انکل نے ہر وقت یہی کہا کہ ابھی تک کوئی نہیں آیا۔ دو دن بعد پھر گئی تو معلوم ہوا کل شام کی فلائٹ سے نواز آگیا ہے۔ وہ لوگ ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ میری آواز سن کر نواز بھی آگیا۔ روکھی پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے وہ مجھ سے ملا۔ اسی وقت گیٹ پر کسی کار کے ہارن کی آواز آئی۔ ملازم نے آکر اطلاع دی کہ ایک بیگم صاحبہ کویت سے آئی ہیں اور صاحب سے ملنا چاہتی ہیں نواز دیوانہ وار باہر کی طرف لپکا۔ اور اس خاتون کو اپنے ساتھ لے آیا۔ وہ کہہ رہا تھا " آپ اتنے دن کہاں تھیں یہاں کیوں نہیں آئیں؟ میں آپکو بہت یاد کرتا رہا ہوں آپ نے اپنا پتہ بھی مجھے نہیں دیا ورنہ میں خود آپکے پاس چلا آتا۔ دیکھئے نا آپ سے ملنے کے لیے میں کویت سے چلا آیا ہوں۔

یہاں بیٹھیے! بیٹھئے نا ـــــ وہ خاتون فیاض انکل کی طرف حیرانی سے دیکھ رہی تھی اسکے منہ سے صرف اتنا نکلا آپ !!! فیاض انکل نے جو کبھی آنے والی خاتون کو اور کبھی نواز کو دیکھ رہے تھے چند لمحوں بعد بے حد سپاٹ اور پتھریلے لہجے میں کہا تم! تم یہاں کیوں چلی آئیں کیا باہر کی دنیا سے دل بھر گیا؟ سونے چاندی، ہیرے جواہرات اور موٹر محلوں سے اکتا گئیں؟

اس گھر پر اب کیا لینے آئی ہو جسکی دہلیز پار کرتے وقت تمہیں لاج نہیں آئی! عورت جیسی مقدس ہستی کے نام پر تم ایک کلنک ہو تمہیں اس گھر کا راستہ کس نے بتایا؟ چلی جاؤ یہاں سے چلی جاؤ ـــــ نواز پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ خاتون نے آگے بڑھ کر فیاض انکل کے پیر پکڑ لئے "مجھے ایک بار معاف کر دیجئے بہت عرصہ پہلے میں نے آپکو اور نواز کو تلاش کیا تھا۔

www.taemeernews.com

... نہیں پتہ نہ چل سکا۔ عیش و عشرت کی زندگی کے لالچ میں، میں نے اپنے آپ کو بھلا دیا تھا۔ صراطِ مستقیم سے بھٹک گئی تھی ایک اسمگلر کے چکر میں پھنس گئی تھی۔ اس نے مجھے نشیلی دواؤں کا عادی بنا کر اسمگلنگ کے دھندے میں پھنسا دیا تھا۔ آج بڑی مشکل سے موقع نکال کر آئی ہوں۔

دنیا کے اس طوفانی سمندر کی بے رحم لہروں پر ہچکولے کھاتی ہوئی میری زندگی کی کشتی ... آپ ہی بچا سکتے ہیں میں تھک گئی ہوں مجھے اپنی پناہوں میں لے لو۔ جب میرا ... زنگا ہوا تب معلوم ہوا کہ شوہر کا وجود ایک مضبوط سا تبان ہوتا ہے۔ مجھ پر رحم کرو ــــ نواز کہاں ہے؟ مجھے اس سے ایک بار ملا دو اسکے منہ سے ماں سننے کے لیے میں ترس گئی ہوں کہاں ہے وہ؟

نواز کی آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں تھا۔

اچانک وہ آگے بڑھا ــــ ماں؟ یہ میری ماں ہے؟ ماں! ماں! کہتا ہوا وہ زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔ چند منٹ تک اس پر یہی کیفیت طاری رہی اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ــــ

○

نیک تمناؤں کے ساتھ

منجانب

میسرس بیاٹری پروڈکٹس

امیٹ نٹ ۵، فیس ۱

ٹی۔ا۔ای، بالا نگر۔ حیدرآباد

www.taemeernews.com

سعیدہ بانو سعید

اے موسمِ بارانِ ....!

اے موسمِ باراں ۔ کتنی حسین یادیں وابستہ ہیں تجھ سے ــــ "اُف" عینک چڑھا کر سحر نے آسمان کی طرف دیکھا جو بادلوں میں گھرا ہلکا سرمئی رنگ لئے دور دور تک پھیلا ہوا تھا ' لگ رہا تھا جیسے بادلوں میں سے جھانکتی ہوئی ' ننھی ننھی سورج کی کرنیں نہیں ' بلکہ چودھویں کا چاند آب و تاب کے ساتھ سیاہ رات میں اپنی دودھیا روشنی بکھیرتا ہوا نمودار ہو رہا ہو ۔ کیا فرق ہے ' ان سردیوں کی چاندنی راتوں میں ' اور اس موسمِ باراں کے رم جھم شب و روز میں ۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا ــــ اور ہلکی سی رم جھم برسات ایک سُریلی موسیقی سے خاموش ماحول کو چھیڑتی ہوئی برسے جا رہی تھی ــــ برسات کی ان ننھی منی بوندوں نے جیسے سحر کے لئے یادوں کے دیپ روشن کر دیئے تھے ۔ اور وہ اس روشنی میں جیسے گم سی ہو گئی تھی ...... اُن پرانی حسین یادوں میں ــــ ایک صبح بڑا خوشگوار موسم تھا وہ کالج کے لئے بڑے اچھے موڈ میں نکل پڑی .... اور بس اسٹاپ پر آکر کھڑی ہو گئی ... بڑا عجیب بس اسٹاپ تھا ۔ دور دور تک سنسان راہیں ..... اسٹاپ پر کچھ کالج کی لڑکیاں اور دوسرے مسافر بھی کھڑے تھے ۔ اچانک سورج کی تیز تیز بکھری ہوئی کرنوں کو جیسے بادل دوڑتے ہوئے سارے آکاش پر چھا گئے ... جس کے ساتھ ہی ہلکی ہلکی سرد ہوائیں چلنی شروع ہو گئیں ' اور دیکھتے ہی دیکھتے ' تمام مسافر ' برسات کی آمد کی اطلاع ' اس بدلتے ہوئے موسم سے لگا کر ' واپس لوٹ چکے تھے ..... ایک سحر ہی تھی جو نہ جانے کیوں وہاں کھڑی تھی کہ بارش ہو بھی تو وہ بھیگ جائے گی ' پر وہ واپس نہیں لوٹے گی ' ہرگز نہیں ۔ ہلکے گلابی رنگ کے خوبصورت سے سوٹ میں بڑی اچھی لگ رہی تھی ... ہلکی سی رم جھم شروع ہو گئی ۔ ان پہلی پہلی بوندوں کے گرنے سے وہ کس قدر لطف اندوز ہو رہی تھی کہ خوشی کے مارے اس کے چہرے پر جو ہلکی سی مسکان رقص کر رہی تھی وہ زیادہ دیر تک نہیں ٹِک پائی ' بارش کا موسم گرگٹ کے رنگ کی طرح پل بھر میں بدل جایا کرتا ہے ۔ کوئی

www.taemeernews.com

سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ ہلکے ہلکے سے بادل گرج گرج کر برسیں گے ۔ لیکن وہ ہلکے ہوں تو دیا ہوا، گرجنے کے لئے ہی تو آتے تھے۔ جھوم کر برسنے شروع ہو گئے ۔ سحر پوری طرح بھیگ چکی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ کوئی چھت، کوئی سہارا، دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا، اور نہ ہی کسی سمت سے بس آتی دکھائی دی ۔ بادلوں کی خوفناک گرج کے ساتھ اس کے چہرے پر زردی سی چھا گئی ۔ گھبرا کر اس نے ۔ ۔ ۔ اپنے ہینڈ بیگ میں منہ چھپا لیا ۔ ۔ ۔ ۔ اور سردی سے کانپتی ہوئی وہ بیگ میں منہ چھپائے کھڑی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ کسی سواری کے اپنے قریب تر رکنے کی آواز پر وہ چونک گئی ۔ چہرے سے بیگ ہٹا کر اس نے آہستہ سے گھورا ۔ ۔ ۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی "کون ہو تم ؟" ایک گرج دار آواز ۔ ۔ ۔ اس کے قریب آتی سنائی دی ـــ کالا کوٹ اور کالا پتلون میں کوئی کالا چشمہ چڑھائے اس کے قریب آتا جا رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ "کون ہو تم ـــــ ؟" پھر اس نے چیخ کر سوال کیا ۔ ۔ ۔ ۔ اس بار وہ دھڑام سے گر پڑی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بادل ۔ ۔ ۔ سیاہ بادل دور دور تک پھیلے ہوئے تھے ۔ ۔ ۔ اور برسات زور سے برس رہی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہت دیر بعد برسات کچھ تھمی ۔ ۔ ۔ ۔ یہی کوئی شام کے چھ بج رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ سحر نے دھیرے سے آنکھ کھولی ۔ ایک نرم، گرم بستر پر خود کو پا کر وہ چونک گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ایک خاموش کمرہ ۔ ہوا سے صرف پردے لہرا رہے تھے ۔ اس نے چاروں طرف دیکھا ۔ ۔ ۔ ۔ "میں کہاں ہوں ؟" ۔ ۔ ۔ ۔ "اے خدا" وہ گھبرا کر اپنے آپ بڑبڑائی ۔ ۔ ۔ ۔ "جی آپ" ۔ ۔ ۔ ۔ وہی گرج دار آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا ۔ ۔ ۔ ۔ وہی کالا پینٹ، اور ۔ ۔ ۔ ۔ کوٹ، ۔ ۔ ۔ ۔ پاس ہی ٹیبل پر کالا چشمہ بھی پڑا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ وہ پھر ایک بار زور سے چیخی، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مارے گھبراہٹ کے اس کا برا حال تھا، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لحاف میں منہ چھپا کر وہ رو پڑی ـــ یہ دیو قامت ڈاکو، ضرور اس کا اغوا کر لیا ہے ـــ ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اس خوف سے کانپ رہی تھی ۔ "آپ گھبرائیے نہیں، یہ میرا گھر ہی ہے" ۔ اس نے آہستہ سے کہا "آپ بس اسٹاپ پر بے ہوش ہو گئیں تھیں، اسی لئے میں آپ کو یہاں لے آیا، کیونکہ میرا گھر یہاں سے قریب تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے ہکلاتے ہوئے، اپنا جملہ پورا کیا ۔ ۔ ۔ ۔ اس نرم گفتگو پر وہ حیران سی لحاف ہٹا کر جھانکنے لگی ۔ ۔ ۔ ۔ واقعی، ایک حسین نوجوان اس کے قریب تر تھا ـــ! "سردی بہت ہے، میں چائے بنا کر لے آتا ہوں" ـــ وہ کمرے سے باہر چلا گیا، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے جاتے ہی سحر نے اپنے اوپر سے رضائی ہٹا کر اٹھنا چاہا، تو وہ اپنے پیروں کو دیکھ کر گھبرا گئی ۔ ۔ ۔ ۔ آسمانی شلوار، اس نے تو گلابی شلوار پہن رکھی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ جیسے وہ خون خون ہو گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے ہتھیلیوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا ـــ "لیجئے چائے" شائد اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا ـــ "شکریہ" پھر ایک بار، کچھ انتظار کے بعد اس نے کہا ـــ سحر نے چائے

www.taemeernews.com

دل کھول کر اسے گالیاں دے ــ پھر بھی وہ چپ چاپ بیٹھی رہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ بس اسٹاپ پر ہی بے ہوش ہوگئی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ میں اپنے گھر لانے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ بارش کچھ تھمی ہے، لیجئے چائے پی لیجئے، پھر آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دوں گا ۔ ۔ ۔ ۔ آپ بے فکر رہیں ـــــ وہ پتھر کی مورت بنی اسے گھورے جارہی تھی ۔ شاید وہ تاک میں تھی کہ آگے کچھ کہے تو دو چار طمانچے رسید کر دے ـــ یا پھر اس کے قمیص کا کالر پکڑ کر اس سے پوچھے کہ "اسے کیوں لایا یہاں پر" ـــ لیکن وہ ایسا کچھ کر نہیں پائی ـــــ آخر وہ ایک مشرقی لڑکی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کس منہ سے یہ سب پوچھ لیتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ ۔ ۔ ۔! وہ غصہ سے لرز گئی ۔ ۔ ۔ "آپ کہاں رہتی ہیں" ـ ؟ اس نے چائے کا کپ سحر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔ "آپ کون ہیں ؟" ـــ جواب دینے کے بجائے اس نے ایک تلخ و طنز بھری نظروں سے گھور کر الٹا اس نے ہی سوال کر دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جی ۔ ۔ ۔ ۔ پھر وہ کچھ دیر سوچ کر مسکراتے ہوئے بولا ـــ جی میرا نام عظیم ہے ۔ یہاں میں اور میری والدہ صاحبہ دونوں رہتے ہیں۔ اتفاق سے وہ اس وقت گھر پر نہیں ہیں ۔ کل ہی بڑی بہن کے گھر گئی ہیں ـ وہ یکدم اٹھ کر دور جا کھڑا ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "تو پھر یہ کپڑے کہاں سے مانگ کر لائے ہیں آپ ـــ ؟" اس نے میز پہ پیالے کو زور سے پٹکتے ہوئے گھور کر پوچھا ۔ ۔ ۔ تو گھبراہٹ کے مارے اس بے چارے کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھوٹ کر زمین پر بکھر گیا ـــ ! "اگر آپ یقین کریں تو بتاؤں" اس نے آہستہ سے کہا ـــ "بتائیے بھی ـــ ؟" پھر سحر نے طنز بھری نظروں سے گھورا "دیکھئے! آپ اور آپ کے کپڑے پوری طرح سے بھیگ چکے تھے ۔ اور آپ سردی سے پوری طرح کانپ رہی تھیں ۔ ۔ ۔ اگر آپ کو اس حالت میں چھوڑ دیا جاتا تو، ظاہر ہے آپ نمونیا کا شکار ہو گئی ہوتیں ـــ" وہ کہتے کہتے رک گیا ـــــ "مجھے مر جانا چاہیئے تھا ـــ" سحر سسک کر رو پڑی ـ "آپ کو اتنا دکھی ہونا ضروری نہیں ـ میں ایک ڈاکٹر ہوں، اور اس طرح آپ کی صحت کی حفاظت میرا اخلاقی فرض بھی تھا میں نے ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے آپ کے ـ ؟ ـــ وہ کہتے کہتے لمحہ بھر کے لئے رک کر بولا ـــ یہ کپڑے جو آپ نے پہن رکھے ہیں ـــ وہ میری دولہن کے ہیں ـــ !" سحر کو یہ بات عجیب سی لگی ـــ "کیا آپ کی شادی ہو گئی ہے ؟" نہ جانے کیوں اس نے ایکدم سے سوال کیا ـــ "جی نہیں ـ !" اس نے دریچہ سے باہر جھانکتے ہوئے کہا ـــ "تو پھر دولہن ـــ" وہ کہتے کہتے رک گئی تھی ـــ "جی! دراصل بات یہ ہے کہ اس برسات کے بعد میری شادی طے پائی ہے ـ اب جو عید آرہی ہے نا ـــ امی جان نے کہا تھا کہ، دولہن کو عیدی بھیجنے کے لئے کپڑے خریدنا ضروری ہوتا ہے ـــ ابھی عید تو، ویسے بہت دن ہے ـــ لیکن مجھے یہ

www.taemeernews.com

یہ سوٹ بہت اچھا لگا تھا اس لئے میں نے خرید لیا تھا — ! وہ ابھی بھی نہ جانے ، دریچہ سے باہر کی دنیا میں کیا تلاش کر رہا تھا . . . . .

"بہت چاہتے ہوں گے نہ آپ ، اپنی ہونے والی دلہن کو — ؟" چپکے سے اس نے سوال کر دیا جس پر وہ بوکھلا کر صرف "ہاں" کہہ پایا تھا —

"پھر ایک بار بتایئے ، آپ نے اپنا کیا نام بتایا تھا — اس نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"جی — ! میرا نام عیم ہے"

"کیا کرتے ہیں — ؟"

"M.B.B.S مکمل ہو چکا ہے — ! اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"غزلیں ، کہانیاں بھی لکھ لینے کا شوق ہے — ؟"

"جی صرف شوق نہیں ، یہ زندگی کا ایک حصہ ہے میری — ! لگتا ہے آپ افسانے ، غزلیں بھی پڑھ لیتی ہیں" اس نے سوالیہ انداز میں گھورا ۔ اور شائد اس پہچان پر وہ کچھ حیران بھی تھا۔ "جی ہاں !" وہ کہہ کر ہنس پڑی ، اس کا چہرہ بہت دیر بعد ، جو غصہ سے تمتما رہا تھا ، ایکدم اُتر گیا — اور اس کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ رقص کرنے لگی ۔ اس کی اس ادا پر وہ حیران ہو گیا — کمرے سے باہر ٹہلنے لگا۔

بارش تھم چکی تھی ، آسمان آئینہ کی طرح صاف و شفاف — اور اس پر سورج اپنی پیلی پیلی کرنیں سمیٹتا ہوا دن کو الوداع کہہ رہا تھا — وہ بیاگ اٹھا کر تیزی سے آگے بڑھ گئی — "کیا آپ ابھی جا رہی ہیں" اس نے جلدی سے پوچھ لیا — "ہاں !" اس نے آہستہ سے رُک کر اپنے سر کو جنبش دی — "اپنے کپڑے تو لیتے جائیے گا" اس نے قریب آکر پوچھا — ! — "ان کپڑوں کو دھویئے ، پھر استری کیجئے ، پھر الماری میں رکھ دیجئے — برسات کے بعد آکر یہ تو لوں گی نا — ! یا پھر مرزا انصر علی بیگ کے گھر پہونچا دیجئے ؟" وہ اتنا کہہ کر تیزی سے چلتی بنی — ارے . . . کیا ، سحر تم . . . . ارے کچھ پل کے لئے رُک جاؤ . . . پلیز رکو بھی . . . وہ چیختا جا رہا تھا . . . . "نہیں ! برسات کے بعد ہی" . . . . وہ ٹالا ٹالا کرتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی . . .

. . . اُف کتنی حسین یادیں ہیں یہ . . . . سحر مسکرا رہی تھی . . . اچانک گھڑی کی ٹک ٹک نے زور زور سے چیخ کر چار بجنے کا اعلان کیا ، تو وہ یادوں کی حسین دنیا سے لوٹ آئی . . . دیکھا کہ وہ کھڑے کالے کوٹ اور چشمہ کو گھما گھما کر دیکھ رہے ہیں — . . . شائد انہیں بھی یادوں نے . . . . ! وہ اٹھی اور اسکوٹر کی چابی بڑھاتے ہوئے بولیں — "ڈاکٹر صاحب جائیے ، چار بج چکے ہیں ، برسات کی رم جھم تھم چکی ہے ، اسکول سے بچوں کو لے آیئے گا —"

--

www.taemeernews.com

عصمت نسیم سحر

احساس کی صلیب پر

کل چمن تھا آج کیوں صحرا ہوا
دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیا ہوا

کوٹھی کا منظر جہاں تھوڑی دیر پہلے شادی کی شہنائیاں گونج رہی تھیں اب وہی کوٹھی ماتم کدہ بن چکی تھی۔ بڑے سے ہال میں جہاں مہمانوں کے رہنے کے لئے خاص انتظام کیا گیا تھا وہیں بیچ درمیان میں نرجس خاتون کے جوان بیٹے کی نعش رکھی ہوئی تھی۔ جوان بیٹے کی موت کا غم ایک سانحہ ہوتا ہے، نرجس خاتون مسلسل روئے جا رہی تھیں، ان کا دل کہہ رہا تھا کہ ابھی زمین پھٹ جائے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں سما جائے مگر اف انسان کی بے بسی، وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا، تبھی ان کی نظر سامنے کھڑی اپنی تو بیاہتا بہو رعنا پر پڑی، سرخ جوڑا، مانگ میں افشاں اور ہاتھوں میں مہندی کی تازہ خوشبو بسی ہوئی تھی، جو سکتہ کے عالم میں اپنے شوہر کی نعش کو تک رہی تھی۔ رعنا کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو تھم سے گئے تھے۔

نرجس خاتون نے حسرت سے رعنا کو دیکھا، بیچاری رعنا اس کوٹھی میں آتے ہی اس کے سارے ارمان سرد پڑ گئے۔ سچ یہ کوٹھی بڑی ہی منحوس ہے۔ وہ سوچنے لگی ... جب وہ یہاں بہو بن کر آئی تھیں، سات بہنوں میں صرف ایک بھائی۔ اس طرح وہ بھی سب کی چہیتی بن گئیں۔ اس کا دامن خوشیوں سے بھر گیا اور ۵ سال کا عرصہ جیسے پلک جھپکتے ہی گذر گیا۔ پھر انہوں نے محسوس کیا کہ سب کے رویوں میں غیر معمولی تبدیلی آگئی ہے، خود ان کے شوہر بھی بات کرتے کرتے اچانک خاموش ہو جاتے اور رحم طلب نگاہوں سے ان کو دیکھتے۔ نرجس خاتون کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔ آخر ان سے رہا نہ گیا۔ ایک دن انہوں نے اپنے شوہر سے پوچھ ہی لیا۔ سنیئے! آخر ایسی کون سی بات ہے جس کی وجہ سے آپ سب مجھ سے ناراض ہیں، اگر انجانے میں ہم سے کوئی بھول ہو گئی ہو تو ہم آپ تمام سے معذرت چاہتے ہیں مگر خدا کے لئے ہم پر اس طرح کا ظلم نہ کریں، ہم سب سہہ سکتے ہیں،

www.taemeernews.com

"اگر آپ کی بے رخی ہماری جان لے لے گی۔ اتنا کہتے کہتے نرجس خاتون کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ "نہیں بیگم نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے، دراصل ہمیں کوئی اولاد نہیں ہے، اسی وجہ سے امی جان اور سب پریشان ہیں، ہمارے بعد ہمارا خاندان ہی ختم ہو جائے گا۔" اتنا کہہ کر وہ باہر چلے گئے اور نرجس خاتون پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی، ہارے ہوئے جواری کی طرح خالی خالی صوفہ پر گر گئیں۔ یہ اتنی سی بات ہے۔ سب کی خواہش کا انھیں شدت سے احساس تھا، خود انہیں کتنی خواہش تھی کہ کوئی ان سے کھیلے اور پیاری پیاری سی باتیں کرے مگر یہ سب تو انسان کے بس میں نہیں، خدا کی مرضی کے آگے سب مجبور ہیں۔ ایک انجانا سا خوف ان کے دل میں گھر کر گیا، کہیں ان لوگوں نے دوسری شادی کر دی تو... نہیں نہیں...! اس خوفناک تصور سے ہی وہ کانپ جاتیں۔ اب ان کا زیادہ تر وقت عبادت میں گذرنے لگا۔ انہوں نے کئی منتیں مانگیں اور خدا کے حضور میں صدق دل سے گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔ "سچ ہے خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔" ننھے منے پیارے سے سرفراز کی آمد نے ساری کوٹھی میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑا دی۔ ساس بلائیں لیتی نہ تھکتی تھیں، پھر سے وہ سب کی توجہ کا مرکز بن گئیں.... سب کی یہی خواہش تھی کہ سرفراز پڑھ لکھ کر خاندان کا نام روشن کرے.... سب کی محنت اور دعاؤں سے ایک دن سرفراز انجینئر کے روپ میں کھڑا تھا۔ نرجس خاتون کی خوشی بام عروج پر تھی مگر یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔ سرفراز اداس اور تھکا تھکا سا رہنے لگا اور پھر ایک دن بستر کا ہی ہو کر رہ گیا، نہ ہنستا اور نہ زیادہ بات کرتا، کبھی کبھی پیٹ میں درد کی شکایت سے کراہ اٹھتا۔ اس کے علاج میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی تھی۔ شہر کے ہر بڑے ڈاکٹر سے اس کا علاج کروایا گیا مگر بے سود، اس کا مرض اسے دن بہ دن دیمک کی طرح ختم کر رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے جواب دیا تھا اب علاج نہیں صرف دعاؤں کی ضرورت ہے۔ رحیمن بوا نے جو اس کوٹھی کی پرانی ملازمہ تھی، اسی کے بتانے پر نرجس خاتون سرفراز کو ایک پہونچے ہوئے عامل کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے سرفراز کو بغور دیکھا اور کچھ پڑھا اور بولے ایک کالے بکرے کی قربانی دو۔ فوراً ہی نرجس خاتون نے ان کے کہنے پر کالا بکرا لا کھڑا کیا اور روتے ہوئے کہنے لگیں۔ "بابا میرے بیٹے کو بچا لیجئے میری خوشیوں کا حاصل یہی تو ہے۔" "تم فکر نہ کرو، تمہارا لڑکا اچھا ہو جائے گا، ہاں اس کی شادی کر دو، میں اس کے لئے دعائیں پڑھوں گا۔" ان کی منہ مانگی فیس کے بدلے چار سونے کی چوڑیاں اور ایک بڑی رقم ان کو دے کر واپس ہو گئیں۔ پھر انہوں نے محسوس کیا کہ سرفراز اب پہلے کی بہ نسبت اچھا ہو رہا تھا، اب اس کے چہرے پر ہلکی سی بحالی آگئی تھی..... جب نرجس خاتون نے اپنے بیٹے کی شادی کی

www.taemeernews.com

بات کی تو ان کے شوہر نے صاف انکار کر دیا۔ "نہیں، یہ نہیں ہو سکتا بیگم، آپ جانتی ہیں کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے کیوں کسی معصوم کا جیون خراب کرنا چاہتی ہو اور ہاں کہے دیتا ہوں ان مرشدوں کے چکر میں مت پڑو، یہ سب دھوکہ ہے زندگی اور موت کا دینے والا تو خدا ہے، سوچو ہماری طرح ایک انسان ہمارے لئے کیا کر سکتا ہے"

"آپ کو اگر اپنے بیٹے سے پیار نہیں ہے تو نہ سہی، میں تو ایسے یوں ہی مرنے نہیں دوں گی، دعائیں کروں گی۔ خدا اس کے بدلے میری زندگی لے لے اور ہاں! یاد رکھنا، اگر سرفراز کو خدانخواستہ کچھ ہوا تو میں زندگی بھر آپ کو معاف نہیں کروں گی ہاں!"

آخر کار نرجس خاتون کے آگے انھیں جھکنا ہی پڑا۔ پھر تیزی سے لڑکی کی تلاش شروع ہو گئی۔ خاندان کے تمام لوگوں نے جواب دے دیا تھا کہ بھلے ہی وہ اپنی لڑکی کو زندگی بھر کنواری رکھنا پسند کریں گے مگر جوانی میں بیوگی کا آنچل اس کے سر پر آنے نہیں دیں گے ..... آخر کار رحیمن بوا نے ایک جگہ رشتہ طے کرایا۔ وہ لوگ بے حد غریب تھے۔ مشکل سے ہی گذر بسر ہو رہی تھی، وہ لڑکی سب سے چھوٹی تھی، انٹر میں زیر تعلیم، اس سے بڑی دو بہنیں ۲۶، اور ۲۷ سال کی تھیں۔ ان لوگوں نے یہ رشتہ قبول کر لیا، کچھ تو ان کا بوجھ ہلکا ہوگا، دوسری بہنوں کے ہاتھ بھی وہ پیلے کر سکیں گے ..... شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ نرجس خاتون نے ان کی دوسری لڑکیوں کی شادی میں مدد کرنے کا وعدہ کیا ..... بارات جب کوٹھی پر پہونچی تو ساری رسومات انجام دی گئیں۔ اچانک سرفراز پیٹ پکڑ کر نیچے بیٹھ گیا، درد کی شدت سے اس کا چہرہ نیلا پیلا ہو رہا تھا، اور پھر اس کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ گئی اور وہ سارے بندھنوں سے آزاد ہو گیا۔ موت کے بے رحم پنجوں کے آگے سب بے بس اور مجبور ہو گئے ..... "اپنے بیٹے کا آخری دیدار کر لو" ..... ان کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا .....

"یہ سب کیا ہو گیا رعنا"۔ رعنا کی باجی نے اسے اپنے سے لپٹاتے ہوئے کہا۔ "خدارا میری بچی سے التجا ہے تو کسی کو غریبی نہ دے اور اگر غریبی دے تو وہاں لڑکی کو نہ پیدا کر۔ باجی ان لوگوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا وہ اچھا نہیں کیا، دیکھنا ان سے ایسا انتقام لوں گی کہ یاد رکھیں گے۔" رعنا کا یہ جملہ سن کر نرجس خاتون کو ایسا لگا جیسے کہ کسی نے ان کے کان میں پگھلتا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔ رعنا کیسا انتقام لے گی مجھ سے .... وہ من ہی من سوچنے لگیں۔ پھر سرفراز کا چہلم ہو گیا۔ رعنا کی زندگی ٹھہر سی گئی۔ سرفراز کی موت سے لے کر آج تک اس نے ایک آنسو نہیں بہایا تھا، اُسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا جیسے کہ وہ کوئی بے حس پتھر کی مورت ہو، دل پر بوجھ ہی بوجھ

www.taemeernews.com

لئے گھنٹوں سوچتی رہتی ۔ ؎

وقت نے مجھ سے تصور بھی تیرا چھین لیا
کیسے اجڑا تھا چمن یہ بھی تو اب یاد نہیں

نرجس خاتون خود کو گنہگار تصور کرتی تھیں، انہوں نے سوچا رعنا کی کسی اچھے لڑکے کو دیکھ کر شادی کر دیں "مجھے نہیں لگتا کہ رعنا مان جائے گی، اگر مان جائے تو ہم سب کے لئے اچھا ہوگا"۔ شوہر کی یہ بات سن کر انھیں کچھ تسلی ہوئی۔ ہمت کر کے انہوں نے رعنا سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ اپنی شادی کی بات سن کر وہ چیخ پڑی۔ "یہ کبھی نہیں ہوسکتا، آپ نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا ہے، صرف دولت ہے آپ کے پاس اور کچھ نہیں۔ آپ سی مطلبی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ میرے جذبات و احساسات سے کھیل کر آپ کو کیا ملا بتائیے، جواب دیجئے۔" نرجس خاتون لاجواب ہوکر وہاں سے چلی گئیں۔ رعنا سے نظریں ملانے کی ان میں ہمت نہیں تھی، جب وہ دیکھتی رات رات تک رعنا کے کمرے کی بتی جلی ہوتی اور وہ چھت پر نظریں جمائے سوچتی رہتی۔ نرجس خاتون سے رعنا کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی، انہوں نے فیصلہ کیا کہ رو رو کر اس سے اپنی بھول کے لئے معافی مانگیں گی، تبھی ان کے بیقرار من کو قرار آئے گا۔

دوسرے دن وہ جلد ہی بیدار ہوگئیں اور رعنا کے کمرے کے پاس گئیں، دروازہ دھکا لگتے ہی اندر کی جانب کھلتا گیا۔ وہ آہستہ سے اندر داخل ہوگئیں اور رعنا کو آواز دینے لگیں۔ رعنا انھیں کرسی پر نظر آئی۔ "رعنا بیٹی"۔ انہوں نے آہستہ سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا، تبھی اس کا بے جان جسم ایک طرف ہوگیا ـــ "نہیں ـــ نہیں"۔ نرجس خاتون کی دل دہلا دینے والی چیخ سے ساری کوٹھی کے در و دیوار ہل گئے اور نرجس خاتون بے ہوش ہوگئیں اور ـــــ جب انھیں ہوش آیا تب سب کچھ ختم ہوچکا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے خود کو اسی کمرے میں قید کر لیا۔ وہ اپنے آپ سے باتیں کرتیں کاش رعنا تم نے مجھے معاف کیا ہوتا۔ جو انہوں نے کیا، کیا وہ درست تھا۔ ان کے ذہن پر ایک بوجھ سا تھا، کئی سوالات ان کے سامنے تھے مگر جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ وہ خلاؤں میں گھورتی ہوئی اپنے سوالات کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتیں، کاش انہیں جواب مل جاتا، ساری عمر احساس کے شعلوں میں جلتے ہوئے کیسے گذاریں گی۔ ؎

تمام عمر گذر جاتی ہے کبھی پل میں
کبھی تو ایک ہی لمحہ بسر نہیں ہوتا

••

www.taemeernews.com

"لمحہ"

ڈاکٹر ہانو طاہرہ سعید

آہ ! وہ لمحۂ رنگیں
وہ میرا حاصلِ زیست !
بَن کے اک قوسِ قزح
ہو گیا غائب کیسے ۔؟
مدتوں سے متلاشی ہوں
اُسی لمحے کی
جس میں شامل تھا کسی کا لہو
جس میں مضمر تھے کسی کے آنسو
جس کی خاموشی اِک افسانۂ ناگفتہ تھی !!

غزل

جو فدا تھے کل، انہوں نے آج پہچانا نہیں
"رُت بدلتی ہے، زمانہ ایک سا رہتا نہیں"

اَے صبا تو ہی بتا کچھ اُن کی منزل کا پتہ
یاد آتی ہے ہمیشہ، خط کوئی آتا نہیں!

اُن کے دل میں اَب نہیں کوئی جگہ میرے لئے!
کس طرح یہ مان لوں، ایسا تو ہو سکتا نہیں!

جو بھی ہونا ہے وہی ہو کر رہے گا، دوستو
کاتبِ تقدیر کا لکھا کبھی مٹتا نہیں!

رشتے ناطے ہو گئے حرفِ غلط، وہم و خیال
آپ سے مل کر کوئی نظروں میں اَب جچتا نہیں!

دے گئے دھوکا عجب انداز سے اہلِ فریب
اپنی خوش فہمی پہ نادم ہوں مگر شکوا نہیں!

مجھ میں درویشی کی خُو ہے طاہرہ، مجبور ہوں
طاقت و دولت کے آگے سر میرا جھکتا نہیں!

غزلیں

زبیدہ تحسین

کئی بھولے فسانے یاد آتے ہیں کہاں ہو تم
صنوبر کے سائے سائے بلاتے ہیں کہاں ہو تم

جنوں پرور ہواؤں نے وہی چھیڑا ہے پھر نغمہ
شبِ غم کے نظارے دل دُکھاتے ہیں کہاں ہو تم

مہِ نو اب بھی ہنستا ہے فلک پر ماہ پاروں میں
نہیں آتے مگر تم یاد آتے ہو کہاں ہو تم

تمہیں دھندوں کی تاریکی میں جب ہم پا نہیں سکتے
سرِ مژگاں کئی دیپک جلاتے ہیں کہاں ہو تم

وہی اٹھکھیلیاں کرتے ہوئے ظالم نظارے ہیں
اُسی انداز سے پھر مسکراتے ہیں کہاں ہو تم

جو لمحے پاسباں تھے دو دلوں کے ایک مدت تک
وہ لمحے پھر تمہیں واپس بُلاتے ہیں کہاں ہو تم

یہ انگوروں کے خوشے اور یہ نازک حسیں بیلیں
لچکتے، لہلہاتے، گنگناتے ہیں کہاں ہو تم

زمیں کو چوم لیتی ہیں سنہری چاندنی کرنیں
فلک پر چاند تارے مسکراتے ہیں کہاں ہو تم

شفق پر شام کا منظر نویدِ شوق دیتا ہے
کنارے مل کے تحسینؔ مسکراتے ہیں کہاں ہو تم

○

جو بچ نہ تھے فریبِ تخیل سے ہم ابھی
خود آ کے حسرتوں کا وہ طوفان اٹھا گئے

سنتے تھے ہم کہ زیست غموں ہی کا نام ہے
رازِ حیات، غم میں ترے، ہم بھی پا گئے

احساسِ قُربِ دل میں ہوا جلوہ آفریں
وہ دُور ہی سے رازِ محبت بتا گئے

ہم نے قدم قدم پہ کیا خونِ آرزو
رازِ وفا میں ہر طرح ہم کام آ گئے

آتی ہے ہر نفس سے مجھے بُوئے خونِ دل
جاتے ہوئے وہ شمعِ تمنا بجھا گئے

اللہ رے کاروبارِ محبت کا اختصار
وہ ایک ہی نگاہ میں اپنا بنا گئے

بدقسمتی تھی اپنی کہ دامن نہ بھر سکے
خوشیوں کا وہ تو یوں بھی خزانہ لٹا گئے

تحسینؔ چارہ گر کی مسیحائی کے نثار
بیمارِ غم کو ایک نظر میں جلا گئے

٭ ٭ ٭

www.taemeernews.com

سلطانہ شرف الدین ایم اے

یہہ اچانک

یہہ اچانک میری آنکھوں میں نمی کیوں اُبھری
نیلگوں سطحِ سمندر سے تو یہہ آئی نہیں
اور نہ بارش کی ہوائیں اُسے لے آئی ہیں
سرد سی چاندنی اس کی کوئی وجہہ تو نہیں
اور نہ برسات کی گیلی سی ہوا کے جھونکے
نرم بانہوں میں سمیٹے اسے لے آئے ہیں
بھیگی راتوں کی امانت بھی نہیں یہہ آنسو
یہہ وجہہ تم ہو، میری دوست وجہہ تم ہی ہو
تم نے کیوں آج میرے سامنے ان جانے میں
سالِ نو میں انہیں کیوں یاد کیا تھا تم نے
اس قدر کیوں تمہیں یاد آتی رہی تھی ان کی
تم نہ سمجھو گی اسے اور نہ سمجھ پاؤ گی
اس قدر ذکر نے کتنے ہی ادھیڑے چھالے
بند آنکھوں کے کناروں سے یہہ بس رِستے رہے
رات کی پھیلی ہوئی سرمئی چادر میں کہیں
گرم قطروں کی نمی جذب کہیں ہوتی رہی

www.taemeernews.com

اداسی

(نظم)

ناز حیدر

نہ غموں کی کوئی سحر ہوئی — نہ شباب آیا چمن چمن
نہ خوشی کا چاند طلوع ہوا — نہ ہی بلبلوں میں کوئی لحن
کہیں گل کا سینہ ہی چاک تھا — شبِ غم کی بات چھپی رہی
کہیں رو رہی تھی کلی کلی — دلِ یاس میں وہی بے بسی
صفِ آسمان بجھی ہوئی — مجھے درد سے بڑا پیار تھا
ہے قمر کی شکل بجھی ہوئی — یہ ہی زندگی کا شعار تھا
نہ بہار میں نہ خمار تھا — ہے وفا وفا میری زندگی
نہ ہی پیار تھا نہ قرار تھا — مجھے ہر جفا ہی بھلی لگی
نہ بہار آئی شجر لیے — نہ گلہ ہے اور نہ شکایتیں
نہ ہی رات آئی سحر لیے — ہوئیں ختم ساری حکایتیں
نہ چمن پہ کوئی شباب تھا — وہی رات ہے وہی بے بسی
نہ فضا کے ہاتھوں رباب تھا — وہی ناز ہے وہی زندگی

غزل

آپ کی آرزو ہم کو مہنگی پڑی زندگی کے اجالے بھی جاتے رہے — ہم امیدوں میں جیتے رہے رات دن فاصلے آپ ہردم بڑھاتے رہے
دھوپ تھی غم کی سائے نہ تھے دور تک ناامیدی کا پرچم سروں پر رہا — کوئی منزل نہ تھی کوئی رہبر نہ تھا ان صلیبوں کو خود ہی اٹھاتے رہے
ایک لمحے میں تم نے مٹا ہی دیا کیا یاد وہ میری رہ گذر ہی نہیں — ہم چراغوں میں اپنا لہو بانٹ کر راہ میں دل کی شمعیں جلاتے رہے
روز سورج افق پر ابھرتا رہا میری دنیا اندھیرے میں ڈوبی رہی — ہم اجالوں کی امید میں رات دن اپنے خوابوں کی دنیا سجاتے رہے
بے وفائی کا شکوہ زمانے سے کیا اپنے ہی جب کے انجان بنتے رہے — آکے محفل میں پروانہ جل بھی گیا اہلِ محفل مگر مسکراتے رہے
شمع جلتی رہی شمع بجھتی رہی دل سلگتا رہا شام ڈھلتی رہی — سلسلہ میرے غم کا نہ ٹوٹا کہیں درد کو اپنے دل میں بساتے رہے

ناز کو کوئی شکوہ نہیں آپ سے میری قسمت میں راتیں اندھیری رہیں
دل میں شعلے سلگتے رہے رات دن ہم وفاؤں کو پھر بھی نبھاتے رہے

www.taemeernews.com

خوابؔ!

رات میں نے خواب دیکھا

ہاتھ میں کاسے کے بدلے لہلہاتے کھیت کا دامن

اندھیروں کی جگہ روشن دیئے تدبیر کے

زرد چہروں پر گلابی بانکپن

چشم نابینا کو تابندہ اجالوں کا پیام

ہر بدن کے سیکڑوں تاریک زخموں پر اُجالا زیست کا

اور دست چارہ گر میں زندگی کا تھا لباس

رات میں نے خواب دیکھا

اُجلا اُجلا پیرہن تھا زیست کا

اور زباں آزاد تھی ہر قید سے

ہر بدن سنگِ ملامت کی سلگتی چوٹ سے محفوظ تھا

اور نہیں تھا سر پہ سنگِ اقتدار

ہر اندھیرا نور کی چادر میں تھا لپٹا ہوا

پیرہن اُجلے تھے، چمکیلے بدن

حوصلے تھے برق پا اک اک قدم منزل لیے

زندگی، خوشیاں، ترنم، ہم سفر

رات میں نے خواب دیکھا

صبح کی پہلی کرن پلکوں کے دروازے سے داخل یوں ہوئی

سارے پیکر رینگتے سائے نظر آنے لگے

اک ذرا سی دیر میں ماحول سارا سرد تھا

دور مٹی کا دیا تھا آخری سانسوں کی اُلجھن میں

طنز بن کے میرے گرد و پیش کا ماحول تھا بکھرا ہوا

نایابؔ سلطانہ

غزلؔ

دل سے ہوگی نہ زیست کی تفسیر
مصلحت ہوگئی ہے دامن گیر

وقت سے آگے سوچنا ہوگا
وقت بنتا ہے پاؤں کی زنجیر

روح بے چین، خواب میں بھی ملی
ہے یہی انقلاب کی تعبیر

وہ بھی کیا لطفِ غم اُٹھائے گا
جس نے دیکھی نہ ظلم کی شمشیر

اُن کے الطاف سے عبارت ہے
میری نایابؔ شوکتِ تطہیر

www.taemeernews.com

غزلیں

انجم قمر سوز

۱

سجا رہے ہیں تبسم سے دل کے ویرانے
یہ کس مقام پہ پہنچے ہوئے ہیں دیوانے

چھلکنے کو ہیں ہماری نظر کے پیمانے
عیاں نہ ہوں کہیں اب دردِ دل کے افسانے

دلوں کا ربط بھی بے ساختہ ہی ہوتا ہے
کہاں سے آئے ہیں ناصح ہم کو سمجھانے

نظر نظر میں لئے پیار دیکھئے نہ ہمیں
تڑپ کے دل نہ نکل آئے تم کو سمجھانے

نہ راستے کا پتہ ہے نہ منزلوں کے نشاں
یہ کیسے موڑ پہ آکر ملے ہیں انجانے

وجودِ حق کی طرح ہے یہاں حرم قائم
بنا بنا کے مٹائے گئے ہیں بت خانے

جدائی کا ہے تصور بھی اب گراں ہم پر
یہی ہے سوزِ نہاں جو چلے ہیں بتلانے

۲

کھینچ کے ملو نہ اتنا ساجن
ٹوٹ نہ جائے سانس کا بندھن

صرف جلا تھا ایک نشیمن
آگ لگی کیوں گلشن گلشن

درد نے لی ایسی انگڑائی
ٹوٹ گئے سب ضبط کے بندھن

ہے یہ صحرا اور وہ شبنم
اُن کے آنسو میرا دامن

آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں
اب گلشن میں برق و نشیمن

سوزِ دروں کچھ آج ہے برہم
سہمی ہوئی ہے زخم کی دھڑکن

www.taemeernews.com

عزیز النساء صبا

کسے آواز دی جائے تمہارے نام سے پہلے
ذرا میں پوچھ تو لوں گردشِ ایام سے پہلے

سلیقہ سے سجانا ہو جو تجھ کو میکدہ ساقی
شکستِ دل ضروری ہے شکستِ جام سے پہلے

جنونِ شوق کی رسوائیوں نے شہرتیں بخشیں
محبت سُرخرو اتنی نہ تھی الزام سے پہلے

یہاں تک بڑھ گیا ہے اب تو شوق انتظار اپنا
چراغ اشکوں کے جل اُٹھتے ہیں اکثر شام سے پہلے

عجب دھوکے دیئے ہیں خوبصورت آرزوؤں نے
وفا رسوا نہیں تھی نامہ و پیغام سے پہلے

لبِ گُل پہ تبسم تھا نہ رقصِ مُوسمِ گُل تھا
نہیں تھا کچھ بھی گلشن میں صبا کے نام سے پہلے

○

پھر کوئی تازہ غزل اپنی سناؤں کیسے
آپ کو آپ کی تصویر دِکھاؤں کیسے

لفظ مجبور ہیں اظہارِ حقیقت کے لئے
مجھ پہ جو کچھ بھی گذرتی ہے سُناؤں کیسے

عمر گذری ہے محبت کے حسیں دھوکوں میں
اتنی یادوں کو بھلا دل سے بھلاؤں کیسے

دل کے ہر زخم سے آتی ہے وفا کی خوشبو
زخم چھپ جائیں گے خوشبو کو چھپاؤں کیسے

بار بار ان کی نظر اٹھتی ہے میری جانب
اُٹھ کے اب انجمنِ ناز سے جاؤں کیسے

مسکرا کر شبِ غم طنز کرے گی مجھ پر
میں ہر شام چراغوں کو بجھاؤں کیسے

میری آنکھوں میں وہ رہتے ہیں شب و روز صبا
اُن پہ الزامِ تغافل کا لگاؤں کیسے

○

www.taemeernews.com

غزلیں

حفیظ انسا حزیں !!!

اٹھے محفل سے تیری اس قدر رسوائیاں لے کر
عدو بھی دیکھتے ہیں آنکھ میں حیرانیاں لے کر
رکھا جب شمع نے شعلے کو سر پر بہہ گئے آنسو
بجھانے آگ پروانے بڑھے بیتابیاں لے کر
نہ منہ سے آہ نکلی اور نہ جانِ ناتواں نکلی
چلے جب تیرِ دل پر رہ گئے ہم سسکیاں لے کر
بجھا دی زندگی کی شمع آہوں کے تھپیڑوں سے
کیوں آتے ہو دمِ آخر کرم فرمائیاں لے کر
نشانہ کس کا آتا ہے وہی سمجھیں وہی جانیں
وہ آئے اپنی نظروں میں ستم کی بجلیاں لے کر
فلک نے موند لیں آنکھیں کسی کی کج ادائی پر
حزیں مسرور ہے انکی ستم آرائیاں لے کر

جلا کر آشیانے پوچھتی ہیں بجلیاں مجھ سے
چمن والے کیا کرتے ہیں کیوں اٹھکیلیاں مجھ سے
نہ سازش بلبلوں سے کی نہ گلہائے چمن مانگے
خدا ہی جانتا ہے کیوں خفا ہے باغباں مجھ سے
فریبِ آرزو میں پھنس نہ جائے دل یہ ہے ڈر مجھکو
لپٹ جائے نہ پھر کوئی بلائے ناگہاں مجھ سے
یہ دل میں ہے کہ رودادِ الم کہہ دوں زمانے سے
مگر یہ ڈر ہے ہو جائے نہ کوئی بدگماں مجھ سے
ارادوں میں کوئی جنبش نہ قدموں سے ہوئی لغزش
مسلسل لے رہا تھا آسماں جب امتحاں مجھ سے
بُرا ہو بیخودی کا ہوں دیارِ غیر میں تنہا
نہ جانے کونسی منزل پہ چھوٹا کارواں مجھ سے
یہ بحرِ بیکراں غم کا یہ طوفاں اشکِ پیہم کا
حزیں کیونکر اُٹھے گا اسقدر بارِ گراں مجھ سے

www.taemeernews.com

غزلیں

نسیم نیازی

ہم شمعِ عشق دل میں فروزاں کئے ہوئے
بیٹھے ہیں اُن سے ملنے کے ارماں کئے ہوئے

تیرا بھلا ہو فصلِ بہاراں جو آ گئی
اب مطمئن ہوں چاک گریباں کئے ہوئے

ہر شئے سے بے خبر جو دلِ بے نیاز ہے
اُس حسن و دلنواز کو مہماں کئے ہوئے

ہر گام جھک رہی ہے جبینِ وفا مری
ہر دم تصورِ درِ جاناں کئے ہوئے

تعبیر مل گئی مجھے اس خواب کو نسیم
وہ آ گئے ہیں زلفِ پریشاں کئے ہوئے

تمہارے جور و ستم کا کوئی حساب نہیں
خراب ہو کے مری زندگی خراب نہیں

ابھی تک اُن کی طبیعت کو دل سمجھ نہ سکا
کبھی عتاب ہے مجھ پر کبھی عتاب نہیں

تمہارے جاتے ہی رونق گئی گلستاں کی
کلی میں حسن نہیں پھول میں شباب نہیں

ہر ایک دل میں ہے پنہاں ہر ایک دل میں نہاں
وہ کون ہے جو ترے عشق میں خراب نہیں

سنانے سامنے ان کے فسانۂ اُلفت
کبھی حجاب ہے مجھکو کبھی حجاب نہیں

نسیم روشنیِ ماہ بھی نثار اُن پر
کہ آج روئے حسیں پہ کوئی نقاب نہیں۔

www.taemeernews.com

غزلیں

مظفر النسا ناز

اس فصلِ بہاراں سے کیوں اتنی پریشاں ہے
اے بادِ صبا کب سے دامن ترا ویراں ہے
کیا نام بتاؤں میں کہتے ہوئے ڈرتی ہوں!!
اک شخص کا اب تک بھی مجھ پر بڑا احساں ہے
اتنا نہ ہو شرمندہ میں کچھ بھی نہ پوچھوں گی؟
نظریں یہ بتاتی ہیں تو خود ہی پشیماں ہے
اب وقت بہت کم ہے دامن تو بڑھا دیجئے
یہ لمحۂ شائستہ کچھ دیر کا مہماں ہے
تنظیمِ گلستاں ہیں، کس شئے کی کمی ہوگی!
اس دور کا ہر انساں کیوں اتنا پریشاں ہے
کیا مانگوں مظفر میں ہنستے ہوئے لوگوں سے
احساسِ تبسم ہی خود بے سرو ساماں ہے

رشتوں کے تعارف کا ماحول بنا دیجے
میں پاس ہی رہتی ہوں احساس دلا دیجے
گردش میں نمایاں ہے ان تازہ اجالوں کا
تاریک مکانوں میں پھر شمع جلا دیجے
ان اجنبی راہوں میں کب تک میں پھروں تنہا
ہر راہ کے پتھر کو آئینہ بنا دیجئے
اقرارِ محبت کا انجام ہے آنکھوں میں
میں خود کو بھلا ڈالوں کچھ ایسی سزا دیجئے
جذبوں کی زباں کیا ہے میں خود بھی سمجھتی ہوں
جو دل میں اتر جائیں وہ شعر سنا دیجئے
گر تم کو مظفر سے اتنی ہی محبت ہے
بچھڑے ہوئے لوگوں میں سمجھوتہ کرا دیجئے۔

www.taemeernews.com

غزلیں

بشریٰ عبدالواحد

اب نہ اے دردِ جگر بڑھ کے تمنا کو پکار
اُن سے اُمید کرم مجھ کو نہیں ہے زنہار

دوستو! نغمۂ پُر درد نہ چھیڑو ہے ہے
سازِ دل ٹوٹ گیا اب نہ بجاؤ یہ ستار

اک ہجومِ غم و آلام نے گھیرا ہے مجھے
ہائے کس موڑ پہ لائی ہے یہ راہِ دشوار

ہائے کس نے یہ اُمیدوں کا چمن لوٹ لیا
کیا وہ اِک خواب تھا دیکھا تھا جو اے جانِ بہار

چھوڑ دو اب تو غمِ دوست کا چرچہ بشریٰ
کھویا جاتا ہے اسی میں تو محبت کا وقار

حوصلے سے تیرے ہم دم حوصلہ پاتے تھے ہم
راہ ہو پُر خار کتنی ہی گزر جاتے تھے ہم

روشنی راہوں میں تھی یا تھا وجودِ ہم نشیں
لاکھ ہوں طوفاں مقابل کچھ نہ گھبراتے تھے ہم

دولتِ دل تھی میسّر اور کچھ تھا یا نہ تھا
چھین کر تجھ سے یہ دولت کتنا اتراتے تھے ہم

آہ وہ زندہ دلی وہ رت جگے وہ قہقہے!
ہائے وہ لمحے کہ جن میں زندگی پاتے تھے ہم

اے شبِ غم چھپ گیا وہ آفتابِ زندگی
جس کی پرچھائیں میں بشریٰ روشنی پاتے تھے ہم

www.taemeernews.com

غزلیں

فاطمہ نسرین، ایم اے (عثمانیہ)

☆

مجھکو ہنسنے دے مرے حال پہ حیران نہ ہو
کوئی بھی دور ہوا اے دوست پریشان نہ ہو

ربط دل نام ہے اُس جذبۂ شائستہ کا
جس میں شورش نہ ہو، طوفان نہ ہو، ہیجان نہ ہو

فصل گل آتو گئی پھر بھی اسی سوچ میں ہوں
آرزوؤں کا یہ گلشن کہیں ویران نہ ہو!

اک دلِ تنہا کی خاطر یہ حوادث کا ہجوم
منہدم ہائے! مرے آس کا ایوان نہ ہو

کیسی محرومی ہے وہ چشم مروت بھی نہیں
یہی احساس کہیں زیست کا عنوان نہ ہو

موسم گل میں بھی باقی رکھیں آداب جنوں
بے خودی حد سے بڑھے چاک گریبان نہ ہو

ہے وہی مخلص و مونس وہی ہمدرد و رفیق
زندگی نظریں چرائے بھی تو انجان نہ ہو

کون جانے کسی خاموش سمندر کے تلے
اک تلاطم ہو مگر موجوں میں ہیجان نہ ہو

زندگی سیلِ حوادث ہے مگر اے نسرین
لاکھ الجھن سہی تو پھر بھی پریشان نہ ہو

◐

دھندلکے چھا گئے تجدیدِ تیرگی کے لئے
چراغ جلتے ہیں اوروں کی روشنی کے لئے

بھری بہار تھی چھوڑا تھا جب چمن ہم نے
ہم آج تک بھی تڑپتے ہیں زندگی کے لئے

مسرتوں کی ہوس ہے نہ غم کی چاہت نے
تمہاری یاد ہی کافی ہے بے خودی کے لئے

بجھا دو دیپ جہاں بھی شبِ چراغاں ہے
ہزاروں لوگ ترستے ہیں روشنی کے لئے

وہ رہ گزر کہ جہاں تم نے ساتھ چھوڑ دیا
نظر سے ہٹ نہیں سکتی وہ دو گھڑی کے لئے

ہر ایک شئے سے ٹپکتی ہے آج ویرانی
سکونِ قلب ضروری ہے دلکشی کے لئے

زمانہ خوش ہے مگر دل بجھا بجھا سا ہے
تمہاری چشم کرم چاہیئے خوشی کے لئے

ہٹا کے پھول ہر اک خار چنتی رہتی ہوں
کہ چبھ نہ جائیں پریشاں ہوں میں کسی کے لئے

بہت سے لوگ ملیں گے تمہیں مگر نسرین
کہاں ہے وہ جو ضروری ہے زندگی کے لئے

www.taemeernews.com

غزل

ڈاکٹر صفیہ انکولوی

مرے ہنر میری خاطر دبالِ جان ہوئے
ترے شعور نے شل گھر ڈبویا مجھے
ملا جو نور تو مسکن بنا سیاہی میں
بہار آئی تو کیا کیا قیامتیں لائی!!
ہمارے واسطے صیّاد بیقرار رہے
تمام عمر جفاؤں کا سامنا ہی رہا!!
مرا قصور نہ تھا کچھ مگر خدا جانے
سمجھ گئے کہ شگوفہ کوئی کھلیگا ضرور
یہ شعر کیوں کہے صفیہ نے بات کیا ہوگی

خیالِ عیش وطرب شل داستان ہوئے
جو بے شعور تھے وہ نازشِ زمان ہوئے
سوادِ شب میں ہی نقشِ ستارگان ہوئے
سمومِ برق گلستاں کے پاسبان ہوئے
ہماری تاک میں ہر سمت باغبان ہوئے
تمام عمر وفاؤں کے امتحان ہوئے!
مرے نصیب میں کیوں جبر آسمان ہوئے!
جو ہم پہ کوکب تقدیر مہربان ہوئے
طرح طرح کے رفیقوں کو بھی گمان ہوئے

انیس فاطمہ انیس

یہاں لٹ گئے آشیاں کیسے کیسے
بڑا ان کو ہے دعوئے امن لیکن!
ضیافت میں رکھتے ہیں وہ زہرِ قاتل
یہ ہیں مشتبہ اپنے ہمدردِ جاں سے

ان آنکھوں نے دیکھے سماں کیسے کیسے
ملے خاک میں خانماں کیسے کیسے
ہیں اپنے یہاں میزباں کیسے کیسے
یہاں رہتے ہیں بدگماں کیسے کیسے

انیس اپنے لٹنے کا کچھ غم نہیں ہے
یہاں لٹ گئے کارواں کیسے کیسے

www.taemeernews.com

غزلیں

بشیر جعفری
ایم۔ اے، بی ایل ایس سی

دیکھ کر بھی نہیں پہچانیں تو کیا ہوتا ہے ۔۔۔ اس طرح ہم کو بھلا بیٹھیں تو کیا ہوتا ہے
ظلم پر ظلم کئے جائیں یہ انصاف نہیں ۔۔۔ اک نظر بھر کے اگر دیکھیں تو کیا ہوتا ہے
عمر بھر خونِ جگر پی کے گزارا ہم نے ۔۔۔ شکوے اس عمر میں بھی کرلیں تو کیا ہوتا ہے
دردِ دل، دردِ جگر دے کے جو حالت کی ہے ۔۔۔ اس کے بدلے میں سزا دیدیں تو کیا ہوتا ہے
جھوٹے وعدوں سے کہاں تک یونہی بہلاؤگے ۔۔۔ کاش اک بار ہی سچ کہہ لیں تو کیا ہوتا ہے

یہی بہتر ہے کہ خاموشی کو اپنا لے بشیرؔ
ظلم لوگوں کا جو اب سہہ لیں تو کیا ہوتا ہے

حسنؔا شہیدی

جب تسلی مجھے دینے کوئی آجاتا ہے ۔۔۔ اور بیتابیٔ دل میری بڑھا جاتا ہے
ہوگیا موسمِ گل حسنِ چمن سے واقف ۔۔۔ اب رہائی کا میری حکم دیا جاتا ہے
جب بھی جی چاہتا ہے نام کسی کا لینا ۔۔۔ آپ کا نام زباں پر میری آجاتا ہے
تیرے بیمار کا کیا حال سنائیں تجھ کو ۔۔۔ جو بھی آتا ہے اُسے دے کے دُعا جاتا ہے
جب بھی سُنتے ہیں گلستاں میں بہار آئی ہے ۔۔۔ خود بخود ہاتھ گریباں تک آجاتا ہے
کوئی کرتا ہے اگر اپنے مقدر کا گلہ ۔۔۔ آپ ناراض ہیں کیوں آپ کا کیا جاتا ہے

اور بڑھ جاتی ہے بیتابیٔ دل میری حسنؔا
جب غزل میری کوئی مجھ کو سُنا جاتا ہے

www.taemeernews.com

غزلیں

ڈاکٹر شمع پروین

سب دیئے بجھ گئے کب گھر میں اُجالا ہوگا
آپ کہتے ہیں بہت جلد سویرا ہوگا

میری ہر سانس کو مہکاتی ہے تیری خوشبو
زندگی تجھ سے مرا کونسا رشتہ ہوگا

تیرے چہرے کی ملاحت سے پتہ چلتا ہے
جس نے چاہا ہے تجھے ٹوٹ کے چاہا ہوگا

لوگ ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں اب دیدۂ تر
آپکے شہر میں کل دیکھئے کیا کیا ہوگا

پہلے مجھکو تو اندھیروں سے گذر جانے دو
بعد اسکے یہاں ہر گھر میں اجالا ہوگا

کتنا بے معنیٰ ہے اس دور میں انساں کا وجود
کل کا انسان یہاں کتنا اکیلا ہوگا

اس لیے جیتی ہوں تکمیلِ محبت کے لئے
شمع بجھ جائے تو پروانہ اکیلا ہوگا

☆

اتنا انجان نہ بن روٹھ کے جانے والے
اِک نظر دیکھ تو لے مجھکو ستانے والے

تو اگر عطرِ حنا ہے تو مجھے مہکا دے
کاغذی پھولوں کو خوشبو سے بسانے والے

اپنی صورت کو ترس جائے گا تو بھی اک دن
میری تصویر کو آئینہ دکھانے والے

ٹوٹ جائے گا کسی روز تو شیشے کی طرح
عکسِ شیشے کی دوکانوں سے چرانے والے

خواب تو خواب ہیں خوابوں سے الجھنا کیسا
آنکھ کھلتے ہی چلے جائیں گے جانے والے

اب تو کچھ بھی نہ بچا شمعِ فروزاں کے لئے
مجھکو احساس کی سولی پہ چڑھانے والے

www.taemeernews.com

کویتا کرن

غزلیں

اس کا غم نہیں، مجھ کو اب کہاں ٹھکانا ہے
زندگی کا مقصد تو صرف اُن کو پانا ہے

ہم تو یہ نہیں کہتے کون منتظر ہوگا
اک نہ اک دن تم کو شہر لوٹ آنا ہے

آرزو یہ دل کی ہے اور پاس آؤں میں
اُن کے پاؤں چھونا تو صرف اک بہانا ہے

اتنے اچھے موسم میں روٹھ کر تو مت جاؤ
فصلِ گل کے آنے کا بس یہی زمانا ہے

زندگی اکیلی ہے آؤ مل کے کچھ سوچیں
ان اداس آنکھوں میں خواب پھر سجانا ہے

زندگی ہے دامن میں صرف اک کرن باقی
اپنے ڈھنگ سے مجھ کو اپنا گھر سجانا ہے

کس حال میں ہوں کبھی آ کر نہیں دیکھا
ملتا تھا سدا وہ مرا گھر نہیں دیکھا

آنکھوں میں چھپا لے گیا بہتے ہوئے آنسو
خوددار تھا اتنا کبھی مڑ کر نہیں دیکھا

گلشن کو جو مہکاتے رہے ایسے گلوں کو
حیرت ہے کسی نے انھیں چھو کر نہیں دیکھا

ہنستے ہوئے چہرے پہ نظر اس کی تھی لیکن
بگڑا ہوا کب سے ہے مقدر نہیں دیکھا

اس کو بھی شکایت ہے نسیم سحری سے
آنکھوں نے کبھی جس کی گلِ تر نہیں دیکھا

خواہش نہ کر اے دوست، کبھی ایسی کرن کی
دنیا نے جسے آنکھ ملا کر نہیں دیکھا

www.taemeernews.com

تنہائی

میری تنہائی میرے ویرانے
میری راتوں کے وحشت خیز سناٹے
زخموں کے سلگتے گلستاں
درد و کرب کی محفلیں
ساتھ رہتے ہیں میرے
میرے غم خانے میں
شبِ ہجر میں یادوں کے پیمانے
شبِ غم میں اشکوں کے میخانے
شبِ فراق کے ادھورے فسانے
سنگِ مرمر کے بت بیگانے
ساتھ رہتے ہیں میرے
میرے غریب خانے میں
تم چاہو تو آ سکتے ہو
دبے پاؤں، ہلکے ہلکے
تم ہی تنہا ہو لے ہو لے
کہ سکوتِ انجم و آب نہ ٹوٹے
میرے سنہرے خواب نہ ٹوٹے
سانس نہ بکھرے آس نہ ٹوٹے
محفل کے آداب نہ ٹوٹے
تم چاہو تو آ سکتے ہو
دبے پاؤں، ہلکے ہلکے

افسر رومانؔ ایم۔ کام، پی جی۔ ڈی۔ جے

غزل

خدا کرے کہ ترا دل بھی پیار کو ترسے
تمام عمر مرے انتظار کو ترسے
ترا بھی حال مرے دل کے حال جیسا ہو
قرار آئے مگر تُو قرار کو ترسے
کبھی کھلے نہ ترے دل کی آرزو کی کلی
بہار آئے مگر تو بہار کو ترسے
غمِ حیات تری جس کی راہ میں گزری
وہ یار آئے مگر ایسے یار کو ترسے
جہاں بھی جائے تُو محشر وہیں بپا ہو برپا
قرار آئے مگر تُو قرار کو ترسے
کہیں ملے نہ تجھے سایہ آشیانے کا
ٹھکانہ آئے مگر تُو وقار کو ترسے

تو جس ادا سے بھی روماںؔ کو کر دیا بے بس
دلِ شکستہ ترا اُس کے پیار کو ترسے

شریمتی رودڈا مستری

سلطانہ شرف الدین

ڈاکٹر زینت ساجدہ

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

فاطمہ عالم علی خاں

شاداں ڈاکٹر وزارت رسول خاں

مظفر النساء ناز

ناز حیدر

نایاب سلطانہ

بشیر جعفری

قمر جمالی

شفیعہ قادری

بشریٰ عبدالواحد ا

انجم قمر سود

زبیدہ تحسین

عابدہ رخسانہ

کوثر گل

ڈاکٹر حبیب ضیاء

حفیظ النسار حزیں

عزیز النسار صبا

ڈاکٹر شمع پروین

انیس قیوم فیاض

فاطمہ نسرین

نسیم نیازی

فروز سعیدہ

شاہین فاطمہ

کویتا کرن

بتول سجاد

ڈاکٹر اشرف رفیع

ڈاکٹر اندو وشسٹ

انور حیدر الدین

ثریا مہر

سعیدہ بانو سعید

حنا شہیدی

افسر رومان

جمیلہ نشاط

www.taemeernews.com

جام ہو یا ذائقہ

گولڈن گیٹ

ایئرکنڈیشنڈ

رسٹورنٹ اینڈ بار

وہ ذائقہ، جو لگاتار محسوس ہوتا رہتا ہے

تھری ایسیس کمپاؤنڈ - عابد روڈ - حیدرآباد - ۵۰۰۰۰۱

فون :- رسٹورنٹ :- 232485